رپورٹ

اسلامی نظام معیشت

(قرآن وسنت کی روشنی میں بنیادی اصول)

لامی نظریاتی کونسل حکومت پاکستان اسلام آباد

اسلامی نظامِ معیشت

(قرآن وسنت کی روشنی میں بنیادی اصول)

(اشاعت دوم ۔ نظرثانی شدہ)

ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

ستمبر ۱۹۹۲ء

اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان
اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی دفعہ ۲۳۰ کی رو سے اسلامی نظریاتی کونسل کی یہ آئینی ذمہ داری ہے کہ وہ دیگر اہم فرائض کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ ملک کے قانون ساز اداروں کی راہنمائی کے لئے اسلامی احکام و تعلیمات کو اس انداز میں مرتب ومدون کرے کہ اس کی مدد سے ان احکام کو بطور قانون موضوعہ نافذ کیا جا سکے۔ اس ذمہ داری کی انجام دہی کی غرض سے اسلامی کونسل نے قبل ازیں اردو اور انگریزی میں "احکام اسلام" کے نام سے دو ابتدائی مجموعے مرتب کر کے قانون ساز اداروں اور دوسرے متعلقہ افراد کو پیش کر دیئے ہیں۔ اس کام کے دوسرے مرحلہ کے طور پر ہم نے موضوعات کے حساب سے اسلامی قوانین کے مختلف پہلوؤں پر جامع کتب مصادر کی تدوین کے کام کا آغاز کر دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ جلد ہی یہ جامع کتب بھی ہم اپنی آخری شکل میں پیش کر سکیں گے۔

اس عظیم الشان کام کا تیسرا مرحلہ وہ ہے جس کی پہلی جلد اب آپ کے سامنے ہے۔ اس میں اسلام کی معاشی اور اقتصادی تعلیمات کے بارہ میں تمام دستیاب ماخذ استیعاب و استقصاء کر کے ان کو موضوع وار یکجا کر دیا گیا ہے۔ اس سے اسلام کے معاشی نظام کا ایک مکمل نقشہ ہمارے سامنے آ جاتا ہے اور اس کی بنیاد پر عملی سفارشات، انتظامی اقدامات اور قانون سازی میں پیشرفت کا کام بہت آسان ہو جاتا ہے۔ یہ کام دراصل بنیاد ہے اس آخری اور تاریخ ساز عمل کی جس کے ذریعہ وطن عزیز میں اسلام کا عادلانہ معاشی نظام بسہولت قائم کیا جا سکے گا اور دنیا ایک بار پھر عدل و احسان کے اس دیرینہ خواب کی تعبیر دیکھ سکے گی جس کو دیکھنے کی آرزو مدتوں سے مسلمانوں کے دل میں چٹکیاں لے رہی ہے۔

اسلام کے معاشی نظام پر علمی کام اور عملی سفارشات کے ضمن میں زیر نظر کتاب کونسل کی پہلی کاوش نہیں ہے۔ اس سے قبل میرے فاضل پیشرو جناب جسٹس محمد افضل چیمہ کے دور میں ماہرین کا ایک پینل تشکیل دیا گیا تھا جس نے بلاسود بنکاری کے موضوع پر اپنی تاریخ ساز اور انقلاب آفریں رپورٹ پیش کر کے اندرون ملک اور بیرون ملک تمام دینی حلقوں سے خراج تحسین وصول کیا تھا۔ بعد ازاں میرے دوسرے پیشرو جناب جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن کے دور میں کونسل نے اس

موضوع پر مزید غور و خوض کیا اور اس پر مزید سفارشات مرتب کیں۔ ہم نے حال ہی میں ان تمام تاریخی دستاویزات و سفارشات پر مبنی ایک جامع کتاب شائع کی ہے جس میں یہ تمام امور یکجا شکل میں بہت منقح ہو کر سامنے آ گئے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب، جیسا کہ عرض کیا، بنیاد ہے اس رپورٹ کی جو اسلام کے معاشی نظام کے قیام کے لئے کونسل میں زیر ترتیب ہے۔ اس کی تیاری میں کونسل کی معاشی اصلاحات کمیٹی کے فاضل اراکین بالخصوص اس کے کنوینر جناب جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری کی علمی راہنمائی کا بڑا دخل ہے۔ اگر جناب مفتی صاحب کی فاضلانہ سرپرستی اس کمیٹی کو حاصل نہ ہوتی تو شاید اتنے مختصر عرصہ میں یہ کام کرنا آسان نہ ہوتا۔

میں اس کتاب کی تیاری کے سلسلہ میں کونسل کے فاضل اراکین، دفتری عملہ اور بالخصوص سیکرٹری جناب محمد سمیع اللہ کی کاوشوں پر ان کا شکر گزار ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کاوش کو نافع بنائے۔

۱۰ شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ
۱۵ر فروری ۱۹۹۲ء

جسٹس (ریٹائرڈ) محمد حلیم،
چیئرمین،
اسلامی نظریاتی کونسل۔

نوٹ ۔ خاتمہ سود کے بارے میں اسلامی نظریاتی کونسل کی جامع رپورٹ بعنوان
"Elimination of Interest from the Economy and Islamic Modes of Financing" (2nd revised and enlarged edition, 1992).
اور اس کا اردو ترجمہ بعنوان "بلاسود بنکاری" کونسل کے دفتر سے دستیاب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اسلام نظری اور فکری تصور ہی نہیں بلکہ ایسی متوازی عملی قوت ہے جو زندگی کے تمام شعبوں میں انقلاب بپا کرتی ہے۔ اسلام ایسا مکمل ضابطہ حیات ہے جس پر عمل کرنے والی قوم کبھی محکوم نہیں رہ سکتی۔ سربلندی اور حکومت اس قوم کا مقدر بن جاتی ہے جو عدل و انصاف کے میزان کو اپنے اور غیر سب پر برابری سے قائم کر دے۔ اسلام نے انسان کے روحانی اور اخلاقی' تمدنی اور تہذیبی تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ مادی پہلو کو بھی کماحقہ اہمیت دی ہے۔ اسلام اس دنیا کی فلاح اور بہتری کو اولیت دیتا ہے اور باہمی اخوت ومودت کی تاکید کرتا ہے اور انسانیت کی تکریم اس طرح کرتا ہے کہ تمام امت ایک جسم ہے۔ اگر کسی صاحب حیثیت شخص کا ہمسایہ بھوکا ہے اور اسے اس کی بھوک اور فقر کا علم بھی ہے' تو اس حال میں اس صاحب حیثیت شخص کا اپنا پیٹ بھر کر کھانا اسلام کی نگاہ میں نہایت قبیح حرکت تصور کیا جاتا ہے۔ مملکت خداداد اسلامی جمہوری پاکستان میں اسلام کے معاشی نظام کو قائم کرنا اس ملک کے غریب عوام کی دیرینہ خواہش اور اصحاب حل وعقد کا فریضہ ہے۔ اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے ایک ایسے ذہنی' فکری اور عملی انقلاب کی ضرورت ہے جو جدید تقاضوں کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہو۔ جس میں ارتقاء و نمو کی کامل صلاحیت ہو۔ آج جب سوشلزم اور کمیونزم اپنی موت آپ مر چکے ہیں اور سرمایہ دارانہ نظام دم توڑ رہا ہے' اسلامی انقلاب کو پوری دنیا میں متعارف کرانے کیلئے کسی ملک میں تجرباتی بنیادوں پر اس کا احیاء ضروری ہے اور ایسی صلاحیت صرف اور صرف پاکستان کو حاصل ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل حکومت پاکستان کے اس فریضہ کی ادائیگی میں اپنی تشکیل کے روز اول سے ہی سرگرم عمل ہے۔ اس بارے میں گاہے بگاہے سفارشات مرتب کر کے حکومت کو ارسال کی جاتی رہی ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی موجودہ رپورٹ ہے جو اسلامی نظام معیشت کے بارے میں سفارشات پر مشتمل ہے۔

ہم حکومت پاکستان اور خصوصاً وزارت مذہبی امور کے بے حد شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہر مرحلے پر کونسل کی حوصلہ افزائی اور معاونت کی۔ اس رپورٹ کی تیاری کے سلسلے میں' میں اپنے ساتھی معزز اراکین کونسل کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے پوری محنت سے اس رپورٹ کی تیاری میں تعاون فرمایا۔

نیز کمیٹی کی معاونت کرنے والے افسران و عملہ خصوصاً جناب محمد عبدالخالق خلیق، سینئر ریسرچ آفیسر اور ڈاکٹر قاری محمد یونس، ریسرچ آفیسر کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے معیشت سے متعلقہ پانچ موضوعات پر بڑی محنت سے اور فرض شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے تحقیقی مقالات تحریر کئے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ہمیں اپنی زندگیوں کو قرآن و سنت کی روشنی میں گزارنے کی توفیق و صلاحیت مرحمت فرمائے۔

جسٹس (ریٹائرڈ) ڈاکٹر مفتی سید شجاعت علی قادری
کنوینر (اسلامی نظام معیشت کمیٹی)
اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان، اسلام آباد

فہرست

حرف اول

نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الکریم

۲۵ فروری ۱۹۹۰ء کو اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل جدید عمل میں آئی۔ کونسل نے اسلامی نظام کو مرتب کرنے کیلئے مختلف کمیٹیاں تشکیل دیں، ایک کمیٹی "اسلام کے نظام معیشت" پر غور و خوض کرنے اور تجاویز مرتب کرنے کے لئے مقرر کی گئی۔ اسی کمیٹی کا کنوینر جناب جسٹس (ریٹائرڈ) ڈاکٹر سید شجاعت علی قادری کو مقرر کیا گیا۔ کنوینر کے علاوہ درج ذیل فاضل اراکین کونسل کو اس کمیٹی کا ممبر مقرر کیا گیا:-

۱۔ حضرت مولانا مفتی محمد اطہر نعیمی صاحب۔
۲۔ حضرت مولانا ارشاد الحق تھانوی صاحب۔
۳۔ علامہ عباس حیدر عابدی صاحب۔
۴۔ جناب سید افضل حیدر صاحب۔
۵۔ جناب سید ذاکر حسین شاہ صاحب۔
۶۔ جناب عرفان حیدر عابدی صاحب۔
۷۔ محترمہ بیگم نثار فاطمہ زہراء صاحبہ۔

اس کمیٹی کے تا حال مندرجہ ذیل ۳۔ اجلاس منعقد ہوئے

۱۔ ۸ تا ۱۰ مئی ۱۹۹۰ء
۲۔ ۲۳ تا ۲۴ مئی ۱۹۹۰ء
۳۔ ۲۵ تا ۲۸ اگست ۱۹۹۰ء

اس کمیٹی نے اپنے دورانیہ میں مالی قوانین کا اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ لیا اور غور و خوض کر کے اسلام کے مطابق بنانے کے لئے ان پر سفارشات مرتب کیں جبکہ ان میں بعض قوانین کو از سر نو مرتب کرنے کی سفارش کی۔

کمیٹی کے اجلاس میں جو امور زیر غور آئے ان کی روشنی میں حسب ذیل سفارشات منظور کی گئیں۔

۱۔ رپورٹ کی تیاری میں موجودہ قوانین و قواعد اور رولز کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلامی احکام کے ساتھ ایک تقابلی جائزہ پیش کیا جائے۔

۲۔ اسلام کے نظام تجارت کو اپنے تمام جزئیات کے ساتھ نافذ کیا جائے اور (اس سلسلے میں حسب ذیل اقدام کو اولیت دی جائے۔)

(الف) بیرون ملک تجارت میں ایسی اصلاح کی جائے کہ پاکستان کی بر آمدات زیادہ اور در آمدات کم ہو سکیں۔

(ب) بر آمدات کے سلسلے میں تمام رو کاوٹوں کو دور کرنے کی تجاویز پیش کی جائیں۔

(ج) موجودہ تجارت کے سلسلے میں جدید مواد، معاشی اصلاح اور ارتقاء کے جدید تقاضوں پر مبنی کتب اور قوانین سے پورا فائدہ اٹھانے کے لئے حالات اور لائبریریاں مہیا کی جائیں۔

(د) موجودہ معاشی نظام کے نقائص کو دور کرنے کے لئے اسلامی احکام کے ساتھ ساتھ دیگر ترقی یافتہ نظام ہائے عالم سے بھی تقابل کیا جائے۔

۳۔ (معیشت پر رپورٹ کی تیاری کیلئے) قرآن پاک، حدیث نبوی میں دی گئی نصوص کی اصولی رہنمائی میں کسی قسم کا ردوبدل نہ کیا جائے۔

۴۔ ایسے اجتہادی مسائل جن میں تغیر و تبدّل ممکن ہے ان میں عصر حاضر کے حالات اور پاکستان کے معاشی تقاضوں کے مطابق مثبت حل پیش کیا جائے۔

۵۔ بعض اضطراری حالات میں جہاں حرام کو وقتی طور پر گوارا کرنا پڑے اسے ایک محدود وقت تک برداشت کیا جائے گا، جیسا کہ پاکستان میں غیر ملکی قرضوں پر سود وغیرہ ہے۔

۶۔ معاشی ارتقاء کے لئے امن عامہ کا قیام سب سے ضروری امر ہے۔

۷۔ پیداوار میں اضافہ اولین ضرورت ہے۔

۸۔ معیشت کی ترقی کیلئے تمام علوم میں ذریعہ تعلیم اردو زبان قرار دیا جائے۔

۹۔ نظام معیشت میں اسلامی احکام کے نفاذ کے لئے ایرانی انقلاب اور سعودی عرب کے تجربوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔

۱۰۔ سود کے خاتمہ وغیرہ کے لئے قوت ایمانی کو بروئے کار لاتے ہوئے اللہ کے بھروسے پر راست اقدام کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ پی آئی اے میں شراب کی بندش اچھی مثال ہے۔

۱۱۔ اسلامی اصطلاحات کا صحیح استعمال کیا جائے اور ان کی تعبیر و تشریح میں ذاتی اغراض کو شامل نہ کیا جائے مارک اپ اور مارک ڈاؤن کی بجائے صحیح اسلامی خطوط پر تجارت کی جائے۔

۱۲۔ سونے اور چاندی کو بدل سمجھ کر قرض دیا جائے اور بنکوں کے تمام نظام کو فی الفور بلاسودی قرار دیا جائے۔

۱۳۔ بازار کی آزادی (حریۃ السوق) کو بحال کیا جائے اور کاشتکار کے پیدا کردہ اناج اور خام مال کی عادلانہ قیمت کو یقینی بنانے' ان کے قابل استعمال بننے اور فروخت ہونے تک اس کے اور تاجر کے درمیان تمام واسطوں کو ختم کیا جائے۔

۱۴۔ افسران بالا کی شہ خرچیوں کو بند کیا جائے اور سادگی کو اپنایا جائے۔

۱۵۔ ٹیکس کے نظام کو سادہ اور سہل بنایا جائے اور تمام ظالمانہ ٹیکس ختم کئے جائیں۔

۱۶۔ جعلی کمپنیوں اور سوسائٹیوں کو ختم کیا جائے اور لوگوں کی دبائی ہوئی رقوم کو واپس دلوایا جائے اور ایسی تمام کمپنیوں کے محاسبہ کا قانون بنایا جائے۔

۱۷۔ غیر ملکی قرضوں سے جلد از جلد نجات حاصل کی جائے۔

۱۸۔ پاکستان کی معاشی آزادی کا تحفظ کیا جائے کیونکہ یہ ہماری آزادی کی ضمانت ہے۔

۱۹۔ ملاوٹ' رشوت ستانی اور بدعنوانی کے سدباب کے لئے قانون بنایا جائے اور کمیٹی کی عبوری رپورٹ میں ان مسائل کے علاوہ قیام امن کو اولیت دی جائے۔

۲۰۔ کمیٹی نے ایک استفسار کا جواب دیا۔

جسٹس (ریٹائرڈ) ڈاکٹر مفتی سید شجاعت علی قادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کا معاشی نظام

الحمد لله الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله،

والصلـــوة

والسلام علی محمدؐ خیر البریة وعلی آله وصحبه۔

اسلامی نظریاتی کونسل نے "اسلامی نظام معیشت" کے سلسلہ میں تجاویز مرتب کرنے کے لئے ایک ذیلی کمیٹی ترتیب دی۔ اس کمیٹی کا کنوینر مجھے مقرر کیا گیا اس کمیٹی نے متعدد اجلاس منعقد کئے اور موضوع سے متعلق بحث میں حصہ لیا' بعض فاضل اراکین نے اپنے زریں خیالات قلمبند فرمائے میں نے ان سے افادیت کی خاطر ان کو بھی مکمل طور پر رپورٹ میں شامل کر دیا ہے میں نے اپنے مقالہ میں اسلامی نظام معیشت کے اکثر موضوعات کے احاطہ کی کوشش کی ہے اور ہر موضوع سے متعلق اختصار کے ساتھ قرآن و سنت کی روشنی میں گفتگو کی ہے' لیکن دور جدید میں یہ موضوع اتنا پھیل چکا ہے کہ اس کے احاطہ کا دعویٰ کرنا درست نہ ہوگا یہ ہمہ وقت تغیر پذیر' اصلاح پذیر اور ترمیم و تنسیخ کا متحمل ہے تاہم مجموعی طور پر ان سطور میں اسلام کے نظام معیشت سے متعلق اصولی ہدایات آگئی ہیں بات کو واضح کرنے کے لئے دوسرے معروف نظام ہائے معیشت کے حوالے بھی ناگزیر تھے' اس لئے ان نظاموں کا ذکر بھی آیا ہے۔

نظام سرمایہ داری اور اشتراکیت

نظام سرمایہ داری (CAPITALISM) کے ردعمل کے طور پر اشتراکیت (SOCIALISM) نے دنیا کے رجحانات نہ صرف سرمایہ داری کے خلاف کر دیئے بلکہ مذہب کو بھی اپنا فریق بنالیا اور بیک وقت اپنا وار سرمایہ داری اور مذہب دونوں پر کیا' مذہب پر وار کرتے وقت ان لوگوں نے بھی عیسائیت ہی کو سامنے رکھا' انہوں نے لوگوں کو باور کرایا کہ مذہبی نظام معیشت محتاج کو محتاج تر' اور مالدار کو مزید مالدار بنادیتا ہے۔ وہ غریبوں اور محتاجوں کو مذہب کی افیون کھلاتا ہے اور انہیں یہ تسلی دیتا ہے کہ اگر وہ اس

دنیا میں ننگے بھوکے اور بے گھر ہیں تو کچھ حرج نہیں ' اگلی دنیا کی بادشاہت ان. کا مقدر ہے جہاں دولت مندوں کا گذر نہیں ہوتا ' دولت مندوں کو جنت کی ہوا تک نہ لگے گی ' ان کا جنت میں داخل ہونا اسی طرح ناممکن ہو گا جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گذرنا ناممکن ہے ' اس لئے غریبوں کو دولت مند بننے کیلئے کسی جدوجہد کی ضرورت نہیں اور وہ جتنی جدوجہد دنیا حاصل کرنے کیلئے کریں گے اتنا ہی حصہ آخرت کی نعمتوں کا گنوا بیٹھیں گے۔

آج معیشت کی ناہمواری پوری دنیا کا مسئلہ بن گیا ہے اور گویا ام الامراض کی حیثیت اختیار کر گیا ہے ' مگر ہم بحیثیت مسلمان خوش قسمت ہیں کہ ہم جس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں اس نے علمی اور عملی دونوں اعتبار سے اس مسئلہ کو ایسی وسیع بنیادوں پر حل فرمادیا ہے کہ آج کے دور پر اور آئندہ کے ادوار پر اس کا اطلاق و انطباق بخوبی ہو سکتا ہے۔

حضور اکرم نور مجسم ' نبی محترم ' صلی اللہ علیہ وسلم کل کائنات کیلئے رحمت بنا کر مبعوث کیئے گئے۔ فرمان الٰہی ہے :

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ الانبیاء : ۱۰۷

ترجمہ : اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

آپ کی یہ صفت آپ کے عطا کردہ نظام حیات سے ظاہر و باہر ہے۔

میں اجمالی طور پر اسلامی نظام معیشت کی کلیات پیش کرنا چاہوں گا مجھے قوی امید ہے کہ اس اجمال سے ہم اس نظام رحمت کے پورے خدوخال سے واقف ہو جائیں گے جو حضور رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے سسکتی ہوئی انسانیت کی نجات کے لئے عطا فرمایا تھا ' قبل اس کے کہ ہم اس نظام پر نگاہ ڈالیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس کی بنیاد دوسرے معاشی نظاموں کی بنیادوں سے قطعاً مختلف ہے۔

اسلامی نظام معیشت کی بنیاد

یہ نظام بے شک انسان کی مادی فلاح کا علمبردار ہے مگر اس میں انسان کو ایک معاشی حیوان نہیں فرض کیا گیا ہے بلکہ مخلوق الٰہی میں ایک ایسی مخلوق جس کو احسن تقویم اور لقد کرمنا بنی آدم کا تاج کرامت پہنا کر اس دنیا میں متعارف کرایا گیا ہے اس اعتبار سے اس کا تعلق اگر دنیا سے ہے تو خالق دنیا سے بھی ہے ' اگر جسمانی تقاضوں کی تکمیل کے لئے سامان زیست چاہتا ہے تو روحانی

بلندیوں کے لئے ایمان و اعمال صالحہ کی غذا کا تقاضہ بھی کرتا ہے' اس لئے اس نظام کی اساس "ایمان" ہے۔ ایمان سے صرف نظر کر کے نہ تو اس نظام کی کامیابی کا کوئی تصور قائم ہو سکتا ہے اور نہ عملاً اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔

اس نظام کا بیان کتاب اللہ میں ہے' جس کی تشریح سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے۔ ہم مسلمان بحیثیت مسلمان ان دونوں سرچشموں سے ہدایت کے بغیر منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

«ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما و یضع آخرین،، (۱)

ترجمہ: اللہ اس کتاب کے ذریعہ کچھ لوگوں کو بلندیاں عطا فرمائے گا اور کچھ کو ذلیل کر دے گا)۔

اب ہمیں سوچنا چاہئے کہ آیا ہم اس کتاب پر عمل کر رہے ہیں یا نہیں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

درجهاں وابستهٔ دینش حیات
نیست ممکن جز بآئینش حیات

جس اللہ نے انسان کو پیدا فرمایا اس نے اس کی روحانی و مادی ضروریات کی تکمیل کا سامان بھی پیدا کیا ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ انسان بعد میں پیدا ہوا اور اس کی حیات و بقاء کا سامان پہلے ہی پیدا کر دیا گیا۔ انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی پیدا کردہ چیزوں سے اس کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق نفع حاصل کرے۔ فرمان الٰہی ہے:۔

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِىْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ (الملک' ۱۵)

ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا پس چلو اس کی پہنائیوں میں اور کھاؤ اس (اللہ) کے رزق میں سے اور اس کی طرف تمہیں زندہ ہو کر جانا ہے۔

۱۔ سنن دارمی: جلد ۲ ص ۳۱۹ نشرالسنہ پاکستان،

وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًاؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ الرعد: ۳

ترجمہ اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں لنگر اور نہریں بنائیں اور زمین میں ہر قسم کے پھل دو دو طرح کے بنائے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًاۗ البقرہ: ۲۹

ترجمہ وہ (خدا) وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ بھی زمین میں ہے، سب کا سب۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَۚ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىٕبَیْنِۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَۚ۝ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ابراھیم: ۳۲، ۳۳، ۳۴

ترجمہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور آسمان سے پانی برسایا اور اس (پانی) سے تمہارے رزق کے لئے پھل لگائے اور تمہارے لئے کشتی کو مسخر کیا تاکہ وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور تمہارے لئے دریاؤں کو مسخر کیا اور سورج اور چاند مسخر کئے جو برابر چل رہے ہیں۔ اور تمہارے لئے رات اور دن مسخر کئے اور تمہیں بہت کچھ منہ مانگا دیا۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے ہو۔"

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَؕ الاعراف: ۱۰

ترجمہ ہم نے زمین میں تم کو اقتدار بخشا اور اس میں تمہارے لئے زندگی کے ذرائع بخشے۔

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَؕ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ الواقعہ: ۶۳-۶۴

ترجمہ کیا تم نے غور کیا یہ کھیتیاں جو تم بوتے ہو انہیں تم اگاتے ہو یا ان کے اگانے والے ہم ہیں۔

یہ آیات اور اسی قسم کی دوسری آیات قرآنیہ میں ۳ نکات قابل توجہ ہیں۔

ذرائع معاش اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں

۱۔ ذرائع معاش اللہ تعالیٰ کے ہی پیدا کئے ہوئے ہیں۔ زمین اور جو کچھ اس میں ہے' سمندر' دریا' نہریں' آفتاب و مہتاب اور لہلہاتی کھیتیاں انسانی معیشت کے بنیادی ذرائع ہیں' سرمایہ دارانہ نظام ہو یا اشتراکی نظام (CAPITALISM) OR (SOCIALISM) یا اور کوئی دیگر معاشی نظام' اس میں خدا کا کوئی تصور موجود نہیں۔ مگر اسلامی نظام معیشت کی بنیادوں میں تصور الوہیت رچا بسا ہوا ہے۔ یہ تمام ذرائع معیشت اسلامی نقطہ نگاہ سے "نعمۃ اللہ" ہیں۔ لہٰذا ان کے استعمال کرنے والے کو ہر آن اس نسبت اور اس تعلق کو ملحوظ خاطر رکھنا ہو گا۔

۲۔ اسلام میں ترک دنیا اور رہبانیت کا تصور نہیں بلکہ مادی نعمتوں سے استفادہ پسندیدہ ہے۔

۳۔ کائنات قابل تسخیر ہے۔ یہاں تک کہ محسوس و مشہود کائنات کے عظیم تر مظاہر آفتاب و مہتاب انسان کے لئے مسخر ہیں' اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ اس سے کس طرح استفادہ کرتا ہے۔

کسب معاش کی تعلیم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسب معاش کے بارے میں فرمایا:-

"طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة،، (۱)

ترجمہ: حلال کی کمائی کو طلب فرض (عبادت) کے بعد اہم فریضہ ہے۔

آپؐ اعلان نبوت سے قبل تجارت کرتے تھے۔ اس طرح مکہ کے اکثر لوگ جو آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے تاجر تھے۔

اسلامی نقطہ نگاہ سے حصول معیشت اور اکتساب رزق جائز بلکہ ضروری ہے۔ لیکن مقصد حیات انسانی نہیں' یعنی ایسا نہیں کہ جو شخص حصول معیشت میں کامیاب ہو جائے تو وہ بحیثیت انسان پوری طرح کامیاب ہو گیا یہ تو کامیابی کے حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے' اسلامی نقطہ نگاہ سے انسان اللہ کی زمین پر اس کا نائب اور اس کا خلیفہ ہے۔ اس حیثیت میں اس کو نہایت امانتداری اور دیانتداری سے

(۱) مشکوٰۃ کنزالعمال کتاب البیوع، الفصل الثالث، حدیث نمبر ۱۔

اپنے تصرفات کرنے چاہئیں۔ یہ درست ہے کہ لوگ درجات معیشت میں مساوی نہیں مگر حق معیشت میں یقیناً مساوی ہیں، اصحاب دولت و ثروت کی دولت و ثروت غرباء کیلئے باعث رحمت و عنایت ہونی چاہئے۔

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ النور: ۳۸۔

ترجمہ اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے۔

وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ القصص: ۸۲

ترجمہ افسوس ہم بھول گئے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کا رزق چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے۔

رزق میں کمی بیشی اللہ کی مصلحتوں پر مبنی ہے۔ کسی کے رزق کی کشادگی اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ اس سے خوش ہے۔ اللہ کا عذاب "مترفین" پر زائد نازل ہوا ہے۔ اور کسی کا فقر و فاقہ اس کے راندہ بارگاہ خداوندی ہونے کی دلیل نہیں، کتنے ہی فاقہ مست اللہ کے یہاں بلند مقام رکھتے ہیں یہاں ایک بنیادی چیز یاد رکھنی چاہئے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ایک نظام "تکوین" ہے، جس میں نہ تو ہمارے دخل کی کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی ہم اس کا علم وادراک رکھتے ہیں۔ سوائے ایمان کے ہم سے اس کے سلسلہ میں اور کوئی مطالبہ نہیں۔ اس نظام کے تحت رزق کی کمی بیشی ایک حقیقت ثابت ہے آپ کوئی سا نظام دیکھ لیں فرق مراتب ہر جگہ نظر آئے گا۔ دوسرا نظام تشریح کا ہے، ہم اس کے مکلف ہیں۔ اور اس کی تعلیمات یہی ہیں کہ ایسا نظام معیشت قائم ہو جس میں کوئی شخص ننگا بھوکا رہنے نہ پائے۔

(۱) <u>رزق عطائے الٰہی ہے</u>

فرمان الٰہی ہے:۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا هود: ٦

ترجمہ:۔ جو بھی زمین پر چلنے والی (ذی حیات) چیز ہے اس کا رزق اللہ ہی پر ہے۔

ایک مومن کا بنیادی عقیدہ ہے کہ حقیقی رزاق اللہ ہے۔ اور ہر ذی روح کو اللہ ہی رزق بہم پہنچاتا ہے جس کا ہم مشاہدہ بھی کر رہے ہیں۔ صرف کوشش کرنے والوں کو ہی نہیں جو کوشش نہیں بھی کرتے ہیں ان کو بھی ملتا ہے۔ بلند درختوں پر پرندوں کے نوزائیدہ بچے جن کی آنکھیں بند ہوتی ہیں، جب چونچ کھولتے ہیں تو لقمہ تران کے منہ میں ہوتا ہے۔

۲ رزق میں کمی بیشی کا معاملہ

جب کسی شخص کو یہ احساس ہونے لگے کہ مجھ کو میرے حصہ سے کم ملا ہے تو اس میں احساس محرومی پیدا ہوتا ہے جس کا ظہور مختلف بھیانک شکلوں میں ہوتا ہے۔ لیکن جب ایک انسان اپنی جدوجہد کے ساتھ ساتھ اس حقیقت پر بھی نگاہ رکھے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے خود اس کے قدو قامت، حسن و جمال، فکرو عقل وغیرہ میں فرق رکھا ہے اسی طرح رزق دینے میں بھی فرق رکھا ہے تو اس کی اپنی زندگی بھی اطمینان سے گزرے گی اور معاشرہ بھی فتنہ و فساد سے بچا رہے گا۔ اس سلسلہ میں قرآن کی یہ تعلیمات قابل لحاظ ہیں:۔

۳ حرص مال کی ممانعت

مال و دولت کو مقصود زندگی بنالینا اسلام میں ممنوع ہے۔ دولت و ثروت میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش ناجائز ہے۔ فرمان الٰہی ہے۔

أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ التکاثر: ۱-۳

ترجمہ:۔ تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے کی فکر نے غافل کر رکھا ہے، قبر میں جانے تک تم اسی فکر میں منہمک رہتے ہو۔ یہ ہرگز تمہارے لئے نافع نہیں ہے جلد ہی تم کو اس کا انجام معلوم ہو جائیگا۔

نیز فرمایا:۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى ۝ طٰہٰ: ۱۳۱

ترجمہ:۔ دنیاوی زندگی کی جو شان و شوکت ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو دے رکھی ہے تم اس کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو۔ وہ تو ہم نے ان کو آزمائش میں ڈالنے کے لئے دی ہے۔ اور تمہارے رب کا رزق حلال ہی بہتر اور پائندہ تر ہے۔

اگر آپ دیانت دارانہ غور کریں تو معلوم ہو گا ہمارے معاشرہ میں حرص وہوس اور ریا و آن ہی نے محرومیوں اور مایوسیوں کو جنم دیا ہے۔ اور اسباب حیات کی خیرہ کر دینے والی چمک دمک' سامان تعیش کی فراوانی' غیر ضروری سامان زندگی پوری قوم کے لئے مصیبت بن گیا ہے۔ اس قوم کا کوئی فرد کسی حد پر رکنے کیلئے تیار نہیں۔ مسئلہ روٹی' کپڑے اور مکان ہی کا نہیں بلکہ جن لوگوں کو یہ سب کچھ مہیا ہے ان میں بھی احساس محرومی اسی درجہ ہے جتنا کہ نان شبینہ کو ترسنے والوں اور کھلی چھت کے نیچے بسیرا کرنے والوں میں ہے۔ ایک ایسا شخص جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور حضور رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی کہلاتا ہو' کیا اسے یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ آپؐ کے دیئے ہوئے نظام معیشت سے یکسر آنکھیں بند کر لے اور اس کا مذاق اور استہزاء کرے؟

۴ دولت اکٹھی کر کے رکھنے کی ممانعت

جس طرح ناجائز طریقوں سے دولت کا حاصل کرنا حرام ہے اسی طرح جائز طریقوں سے حاصل کر کے دولت کو بلا جواز روکے رکھنے کی بھی ممانعت ہے' دولت اقتصادی نظام میں خون کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر گردش میں رہے گی تو اقتصادی نظام زندہ رہے گا اور دولت گردش میں نہیں رہے گی تو نظام معیشت درہم برہم ہو جائے گا' جدید معاشیات میں یہ نکتہ بہت ہی اہمیت رکھتا ہے۔ اور قرآن نے اس کو بڑی تاکید کے ساتھ بیان کیا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهُ ۙ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۚ كَلَّا لَيُنبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۖ ( ) الھمزة : ۱-۴

ترجمہ:۔ اور جو لوگ اللہ کے دیئے ہوئے فضل کے معاملہ میں بخل سے کام لیتے ہیں وہ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ یہ ان کے لئے اچھا ہے بلکہ یہ ان کے لئے بہت برا ہے' جس مال میں انہوں نے بخل کیا ہے اس کا طوق قیامت کے دن ان کے گلے میں ڈالا جائیگا۔

۵ مال و دولت پر گھمنڈ والوں کا حشر

قرآن کریم نے مال و دولت پر گھمنڈ کرنے والوں کا انجام بد ترین قرار دیا ہے۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا ۖ فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَن مِّن بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ۝ القصص: ۵۸-

ترجمہ:- اور ہم کتنی ہی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جنہیں اپنی خوش عیشی پر ناز تھا یہ ان کے گھر (اجڑے ہوئے پڑے) ہیں کہ ان کے بعد آباد ہی نہ ہوئے مگر تھوڑی دیر کیلئے' اور ہم ہی مالک رہے ۔

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ۝ وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ۝ السبأ: ۳۴-۳۵

ترجمہ: ہم نے جس بستی میں بھی کوئی متنبہ کرنے والا بھیجا اس کے دولت مند لوگوں نے اس سے کہا کہ جو پیغام رسالت تم لیکر آئے ہو ہم اس کے منکر ہیں اور انہوں نے کہا کہ ہم تم سے زیادہ مال واولاد رکھتے ہیں اور ہم ہر گز عذاب پانے والے نہیں ہے ۔

٦ اسراف کی ممانعت

اسلام نہ صرف ذرائع آمدن کو قواعد وضوابط کا پابند بناتا ہے بلکہ خرچ کے طریقے بھی متعین کرتا ہے۔ اسلام کے نزدیک یہ بات پسندیدہ نہیں ہے کہ انسان اپنی دولت صرف اپنے عیش و عشرت پر صرف کر ڈالے اور معاشرے کے تہی دست افراد کی مدد نہ کرے اور اپنی اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ بر آنہ ہو' فرمان خداوندی ہے ۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۝ بنی اسرائیل ۲۶، ۲۷

ترجمہ: اور تم فضول خرچی نہ کرو' فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر ہے۔

وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ - انعام : ۱۴۱

ترجمہ: خرچ میں حد سے نہ گزرو، اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہم مسلمان فضول خرچیوں میں گرفتار ہونے کے باعث خود ہی اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ پان، سگریٹ، تمباکو، چھالیہ، جیسی اشیاء پر خرچ ہونے والے زر مبادلہ کا آپ حساب لگائیں تو معلوم ہو گا کہ اگر یہ زر مبادلہ قوم کے بھوکوں کی بھوک مٹانے پر صرف کیا جاتا تو نہ جانے کتنے لاکھ بھوکے شکم سیر ہو جاتے، اور کتنے لاکھ ننگے اپنے تن کو ڈھانپ سکتے تھے۔ پھر نت نئے فیشنوں کا لباس، گھر کا فرنیچر، عالیشان عمارات اور آلات رقص و سرود نے اس غریب قوم کو مزید مفلوک الحال بنا دیا ہے۔

۷ بخل کی ممانعت

ایک تو مسرفین کا گروہ ہے جو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالے ہوئے ہے، دوسری طرف کنجوسوں اور بخیلوں کی جماعت ہے جو سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اپنے اوپر خرچ کرنا نہیں جانتے، فرمان الٰہی ہے:۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝
الفرقان ۶۷

ترجمہ: اور وہ (اللہ کے نیک بندے) کہ جو خرچ میں نہ اسراف کرتے ہیں، نہ بخل بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتے ہیں۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝
سورہ بنی اسرائیل ۲۹

ترجمہ: اور اپنا ہاتھ نہ تو اپنی گردن سے باندھ رکھ (کہ کچھ خرچ نہ کرے) اور نہ ہی کھول دے کہ ملامت زدہ اور حسرت زدہ بن کر بیٹھا رہ جائے۔

زراعت

وسائل زندگانی میں زراعت کو ہمیشہ سے بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اسلام کے نظام معیشت میں بھی اس کو اہمیت دی ہے۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ زمین کو رازق نہ سمجھ لیا جائے۔ بلکہ اللہ ہی کو رازق مانا جائے اور جو کچھ اس میں ملتا ہے اس کو اللہ کی عنایت گردانا جائے۔ یعنی عنایت اللہ کے منصب کو ذھن میں رکھتے ہوئے تمام کام انجام پائے۔ فرمان الٰہی ہے'

أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۝ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلزَّٰرِعُونَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَٰهُ
حُطَٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ۝ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٦٧﴾

الواقعہ: ۶۳ تا ۶۷

ترجمہ: بھلا بتلاؤ تو تم جو کھیتی کرتے ہو اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کر دیں اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ' کہ بلاشبہ ہم پر تاوان ڈالا گیا' بلکہ ہم تو محروم رہ گئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اطلبوا الرزق فی خباء الارض (۱)

ترجمہ: رزق کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو۔

امام سرخسی نے فرمایا اس سے مراد کھیتی باڑی کرنا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

جو مسلمان درخت بوتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور اس سے پرند انسان جانور اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں تو یہ عمل اس کے حق میں صدقہ بنتا ہے۔ (۲)

پاکستان ایک زرعی ملک ہے۔ اس لئے اس کے اقتصادی نظام کی بہتری کی تمام توقعات اسی نظام زراعت کی بہتری پر موقوف ہیں' ذیل میں ہم نظام زراعت کی شرعی تفصیلات پیش کرتے ہیں۔

---

(۱) الحیثمی، نورالدین علی بن ابی بکر : مجمع الزوائدو منبع الفوائد ج ۴، کتاب البیوع، باب الکسب و التجارة و الحث علی طلب الرزق

(۲) صحیح مسلم، ج ۲، کتاب المساقاة والمزارعة، باب فضل الغرس و الزرع

۱ ملکیت زمین

اسلام زمین کی شخصی اور انفرادی ملکیت کے حق میں ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ۔

«من كانت له ارض فليزرعها اوليمنحها فان ابى فليمسك ارضه (۱)

ترجمہ جس کے پاس زمین ہو اس کو چاہئے کہ خود کاشت کرے یا دوسرے کو کاشت کے لئے مفت بطور احسان دے دے' اور اگر دونوں باتوں میں سے کسی کے لئے تیار نہیں تو اپنی زمین کو روکے رکھے۔

اب اگر انسان زمین کا خود مختار مالک نہ ہوتا تو یہ فرمایا جاتا کہ وہ زمین ضرور دوسرے کو دے دے' مگر یہاں فرمایا گیا ہے اگر وہ چاہے تو اپنی زمین کو بلا کاشت اپنے پاس رہنے دے۔

۲ زمین کا کرایہ یا بٹائی پر دینا

زمین کو کرائے یا بٹائی پر دینا اسلامی نقطہ نگاہ سے درست ہے اگرچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو اپنے تقوی کی بنیاد پر درست نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم' خلفائے راشدین' صحابہ' تابعین' تبع تابعین' مجتہدین کے متواتر عمل سے اس کا جواز ثابت ہے۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے

«ان رسول الله عليه وسلم اعطا فى خيبر اليهود على ان يعملوها ويزرعوها ولهم شطر ماخرج منها (۱)

ترجمہ: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو خیبر کی زمین اس شرط پر دی کہ وہ اس میں کاشت کریں اور جو پیداوار ہو وہ نصف بٹائی پر ہو۔

---

(۱) صحيح بخارى و مسلم باب الزراعة و ابن ماجه، كتاب المزراعة، كتاب الزارعة و المساقاة۔ مشكوٰة، كتاب البيوع، باب المساقاة والمزارعة

(۲) بخارى كتاب الزراعة (۱۱) وشروط رهون ۷، ۸ بخارى حديث ۱۸ صحيح مسلم، كتاب المساقاة و المزارعة ۔ حديث نمبر ۴

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ :۔

"ان المزارع فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانوا یکرون مزارعھم" (۱)

ترجمہ   مالکان زمین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اپنی زمینوں کو کرایہ پر دیا کرتے تھے۔

حضرت حنظلہؓ بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے رافع بن خدیج سے زمین کو کرایہ پر دینے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے۔ میں نے کہا کیا سونے چاندی کے عوض بھی؟ تو انہوں نے کہا کہ اس میں حرج نہیں۔

ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں مہاجرین کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جو چوتھائی یا تہائی حصہ کی بٹائی پر زمین کاشت نہ کرتا ہو۔ (۲)

مزارعت و مساقاۃ

زراعت کو عام بنانے کے لئے اسلام نے مال گذاری میں تخفیف کو مدنظر رکھا ہے اور اس امر کی پوری رعایت رکھی گئی ہے کہ کاشت کار اور محنت کش زائد سے زائد اپنی محنت کا پھل خود حاصل کر سکیں۔ اگر زمین ذاتی ملکیت ہے تو عشری ہوگی یا خراجی۔ اگر عشری ہے تو پیداوار پر اس کا دسواں حصہ حکومت بطور عشر وصول کرے گی اور اگر خراجی ہے تو سال میں صرف ایک مرتبہ اس کا خراج وصول کیا جائے گا اور اگر زمین حکومت کی ہے اور وہ اجارہ پر کاشت کراتی ہے یا کسی فرد کی ملکیت ہے وہ اجارہ پر کاشت کرتا ہے تو اگر نقد لگان پر زمین کو دیا ہے تو وہ سال میں صرف ایک مرتبہ ہی لیا جائے گا اس کو "استکراء الارض" کہتے ہیں اور اگر بٹائی پر دیا ہے تو ہر فصل کے اٹھاتے وقت دینا ہوگا۔ اگر یہی معاملہ باغات کی پیداوار کے ساتھ ہو تو یہ "مساقاۃ" کہلاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمین کا مالیانہ وصول کرنے کے سلسلے میں ایک موقعہ پر فرمایا :۔

"فخذہ فی رفق و تسکین اھل الارض"

---

(۱) ابی داؤد و نسائی۔ کتاب الزراعۃ و المزارعۃ والمساقاۃ۔ مشکواۃ، کتاب البیوع، باب المساقاۃ و المزارعۃ۔

(۲) بخاری کتاب الزراعۃ : ۸

(۳) کتاب الخراج : باب تقبیل السواد ص : ۱۱۴

ترجمہ: تم یہ "محصول" زمینداروں سے نرمی اور سکون سے وصول کرنا۔

زمینداری کے نظام میں انتہائی غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اگر غور کیا جائے تو سر دست ہمارے ملک کی خوشحالی اور ترقی اسی نظام سے وابستہ ہے' اس میں ترغیب و تحریص کے ذریعہ دیہی آبادی کو شہروں کی طرف منتقل ہونے اور زرعی زمینوں کو سکنی زمینوں میں تبدیل کرنے سے روکا جا سکتا ہے۔

زمین کا کرایہ

اسلامی ریاست کا سربراہ جن سرکاری زمینوں کو سالانہ اجرت (لگان) مقرر کر کے کاشت کے لئے دے دے اور ان سے جو محصول وصول ہو گا' اسلام کے مالیاتی نظام میں اس کا نام کراء الارض ہے۔

یہ ایسی زمینیں ہوتی ہیں جن سے نہ عشر لیا جاتا ہے نہ خراج۔ انہیں مقررہ اجرت سے کاشت کے لئے دیا جاتا ہے یہ وہ زمینیں ہوتی ہیں جو لاوارث ہو کر بیت المال کی جانب ہو جاتی ہیں یا لشکر کشی کے بعد وقف المسلمین بن کر اجیروں کو مقررہ اجرت پر دے دی جائیں۔ اسلامی فقہ کی اصطلاح میں ایسی زمینوں کو "ارض المملکت یا ارض حوزہ" کہتے ہیں۔ (۱)

"کراء الارض" کا فقہی ثبوت انہیں آیات و احادیث سے ملتا ہے جو خراج اور عشر کو شامل ہیں۔ اسلامی مالیاتی نظام میں اس قسم کا دوسرا نام "الاقطاع" بھی ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں کراء الارض کی آمدنی ۰۰۰'۰۰۰'۹ درہم تھی۔ جبکہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں یہ بڑھ کر ۰۰۰'۰۰۰'۵۰ درہم ہو گئی۔ (۲)

(۱) ابن عابدین: ردالمحتار جلد ۳، باب العشر و الخراج و الجزیہ ص ۲۵۳ الماوردی: الاحکام السلطانیہ، مطبعة الوطن ۱۲۹۸ھ ص ۱۸۳

(۲) المخطط والاثار، مطبعة النیل، ۱۳۲۴ھ جلد ۱ ص ۱۵۵

عشر

زرعی پیداوار کی نقل و حمل پر عشور

خذ انت منهم کما یاخذون من تجار المسلمین وخذ من اهل الذمة نصف العشر، ومن المسلمین من کل اربعین درهما مازاد فبحسابه (۱)

ترجمہ: ان سے اتنا ہی وصول کیا جائے جتنا وہ مسلمان تاجروں سے وصول کرتے ہیں اہل ذمہ سے نصف عشر ۴۰/۱ لیجئے اور مسلمانوں سے ہر چالیس درہم پر ایک درہم وصول کریں اور جتنا اس پر زائد ہو' اس سے اسی حساب سے وصول کیجئے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے اس فرمان میں نہ صرف غیر مسلموں بلکہ جو مسلمان یا ذمی دار الحرب اور دار الاسلام کے درمیان تجارتی کاروبار کو جاری رکھتے ہیں ان پر بھی ٹیکس لگایا ہے۔ البتہ یہ رعایت دی کہ جس تاجر سے سال میں ایک مرتبہ ٹیکس (عشور) وصول کر لیا جائے وہ اس کے بعد سال میں جتنی بار بھی آئے اس سے دوبارہ نہ لیا جائے۔ پہلی وصولی کے بعد انہیں سال بھر کے لئے رسید لکھ کر دے دی جاتی تھی۔ (۲)

اس سلسلے میں ایسے مال کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ دو سو درہم یا بیس مثقال کی قیمت سے کم نہ ہو۔

فقہاء اسلام نے اس در آمد ٹیکس کے جواز کیلئے یہ دلیل پیش کی ہے کہ یہ محصول اسلامی ریاست کی اس حفاظت کا معاوضہ ہے جو وہ در آمد کنندگان کو مہیا کرتی ہے امام سرخسی لکھتے ہیں "عاشر وہ ہے جس کو امیر نے تاجروں سے صدقات (عشور) وصول کرنے اور انہیں چوروں کی مقاومت سے بچانے کے لئے راستہ پر متعین کیا ہو" (۳)

خراج

اسلامی ریاست کی آمدنی کا ایک دوسرا نہایت اہم ذریعہ خراج ہے یہ آمدنی زمینوں سے حاصل ہوتی ہے۔

---

(۱) امام ابو یوسف: کتاب الخراج ص ۱۳۵

(۲) ابو عبید: کتاب الاموال ص ۵۳۳، امام مالک الموطا باب زکاة العروض

(۳) شمس الائمہ سرخسی: المبسوط، جلد ۲ باب العشر ص ۱۹۹

خراجی زمین:

خراجی زمینیں آٹھ ہیں:۔

۱۔ وہ زمینیں جنہیں مجاہدین اسلام نے بزور شمشیر فتح کیا ہو اور پھر یہ زمینیں اس علاقہ کے ذمیوں کو کھیتی باڑی کے لئے بغرض خراج دے دی جائیں مثلاً سواد عراق اور مصر وغیرہ کی اراضی۔

۲۔ وہ بے کار زمین جسے ذمی نے اسلامی ریاست کے سربراہ کی اجازت سے قابل کاشت بنایا ہو یا اس ذمی نے جہاد اسلامی میں لشکر اسلامی کی مدد کی ہو اور امیر یا سربراہ نے زمین کا کوئی ٹکڑا بطور انعام دیا ہو۔

۳۔ ذمی کے گھر کے باغ کی زمین خواہ اسے عشری پانی سے سیراب کرے۔

۴۔ اس کافر قوم کی زمین جس نے خراج پر مسلمانوں سے صلح کی ہو۔

۵۔ جو زمین خراجی پانی سے سیراب ہو۔

۶۔ جو زمین مسلمان نے ذمی یا کافر سے خریدی ہو۔

۷۔ وہ عشری زمین جو خراجی پانی سے سیراب ہو۔

۸۔ مسلمان کے گھر کے باغ کی زمین جسے خراجی پانی سے سینچا گیا ہو۔ (۱)

مذکورہ بالا اراضی سے جو محصول یا ٹیکس یا مال گزاری وصول ہو گا وہ خراج کہلائے گا (۲) امام ابو یوسف کی رائے میں "خراج" دراصل "فیٔ" ہی کی ایک قسم ہے کیونکہ اگر معمولی جنگ کے بعد کفار مغلوب ہو کر صلح کر لیں اور اپنی اراضی کا خراج مسلمانوں کو دینا شروع کر دیں تو "فیٔ" ہی شمار ہو گا۔ وہ لکھتے ہیں:۔

واما الفئی یا امیر المومنین فهو الخراج عندنا، خراج الارض والله اعلم (۳)

ترجمہ: اے امیر المومنین ہمارے نزدیک مال فیٔ سے مراد زمین کا خراج ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

۱۔ نور الدرایه من عین الهدایه، ج۔۱، قسط ۱۵، ص/۲۳

۲۔ ابو یوسف: کتاب الخراج، قاهره ص ٦۔

۳۔ ابو یوسف: کتاب الخراج، ص : ٦

خراج کے شرعی دلائل

اس سورت میں خراج کا ثبوت بھی قرآن مجید کی نص سے ملتا ہے:۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۚ

سورة الحشر : ۶

ترجمہ: جو لوٹا دیا اللہ نے اپنے رسول ؐ پر بستیوں والوں (کفار) سے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اور رسول ؐ کے لئے اور رسول ؐ کی قرابت والوں کے لئے اور یتیموں محتاجین اور مسافروں کے لئے ہے تا کہ دولت تم میں سے دولت مندوں ہی کے درمیان دائر اور محصور نہ رہے۔

خراج کی دوسری شرعی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے۔ آپ نے خیبر کا علاقہ فتح کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں کو خراج مقاسمہ پر دیا تھا۔

ثم رفعها رسول الله بارضها ونخلها الى اهلها مقاسمة على النصف مما يخرج من الثمر والحب و ولى عليهم فى ذلك عبد الله بن رواحة (۱)

ترجمہ: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمینیں اور کھجوریں ان کے مالکان کے پاس پھلوں اور غلہ کے نصف خراج پر انہیں دیں اور اس کی وصولی وغیرہ کے لئے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا۔

تیسری دلیل حضرت عمرؓ کا عمل ہے جنہوں نے سواد عراق اور شام کی زمینیں ان کے اصل مالکان کے پاس خراج پر رہنے دیں (۲)

حضرت عمرؓ کے زمانے میں عراق کا خراج دس کروڑ بیس ہزار درہم، شام کا ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار اور مصر کا ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تھا۔ (۳)

---

(۱) البلاذری، ابوالحسن : فتوح البلدان، قاهره ۱۳۵۰ھ /۱۹۳۲ء، ص/۳۳

(۲) ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۲۵

(۳) مقدمه ابن خلدون (اردو ترجمه)، نفیس اکیڈمی، کراچی، جلد۱، ص ۳۹۳

حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے ذریعے عراق کی تمام زمین کی پیائش کرائی اور خراج بالمساحہ مقرر کیا۔ انگور کے باغات پر دس درہم فی جریب، کھجور کے باغات پر آٹھ درہم، گیہوں کے کھیت پر چار درہم اور جو کے کھیت پر دو درہم وغیرہ۔ (۱)

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خراج کا کوئی نصاب نہیں۔ یہ عشر کی طرح ہر قلیل و کثیر مقدار پر ہے۔ (۲)

حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک خراج بالکل عشر کی طرح اسی پیداوار پر ہو گا جس کی مقدار یا قیمت پانچ وسق کے برابر ہو۔ (۳)

---

(۱) ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۲۶

(۲) ایضاً ص/۵۲

(۳) ایضاً

نظام زراعت کی اصلاح کے لئے بعض اہم سفارشات

(۱) احیاء الموات۔ (بنجر زمین کو قابل کاشت بنانا)

(۲) پانی کی تقسیم کا ایسا نظام ہو جس سے ہر موگہ پر بجلی پیدا کی جائے۔ جو پورے واٹر کورس کو روشن رکھے۔

(۳) ایک ایک انچ سے فائدہ اٹھایا جائے۔ کوئی شخص زمین غیر آباد نہ رکھے۔

(۴) فصلوں کو جمع کر کے قرآنی نظام کو جاری کیا جائے۔ یعنی درخت لگائے جائیں، اس میں بیلیں چڑھائی جائیں ان کے درمیان میں فصل اگائے، ہر زمین دار پر واجب قرار دیا جائے۔

(۵) مال خریدنے کی ضمانت مہیا کرے۔

(۶) ہر تحصیل کی سطح پر چپ بورڈ اور گتے کے کارخانے بنائے جائیں۔ کپاس، گنا وغیرہ کی فاضل لکڑی استعمال کی جائے۔

(۷) قرض حسنہ کی سہولتیں بلا دقت مہیا کی جائیں۔

(۸) بند بنانے کے نظام کے ذریعے انتہائی چھوٹے جنریٹنگ پاور لگا کر چھوٹے پیمانے پر بجلی پیدا کی جائے جو اس علاقے کی ضروریات کے لئے کافی ہو۔

(۹) سورج کی روشنی سے پانی اٹھانے کا آسان طریقہ ایجاد کیا جائے۔

(۱۰) مزارعت بٹائی کا خاتمہ کیا جائے۔

(۱۱) باغبانی کی بنیاد پر آدھی زمین کی ملکیت کی اجازت عام ہو۔ اور سرکاری زمین میں باغبانی کرنے والے کو زمین کی ملکیت لازمی طور پر دے دی جائے۔

(۱۲) باہر سے اعلیٰ اقسام کے بیج اور پودے منگوائے جائیں اور جدید تحقیق سے کماحقہ استفادہ کیا جائے۔

(۱۳) زرعی انقلاب کے لئے ہنگامی پروگرام بنایا جائے۔

(۱۴) اجناس خوردنی کی پیداوار میں اضافہ کیا جائے اور انعام دیئے جائیں اور اعلیٰ کارکردگی کرنے والوں کی تشہیر کی جائے۔

(۱۵) کھاد کے نرخوں میں کمی اور استعمال میں وسعت دی جائے۔

(۱۶) زمین دار اور صارف کے درمیان تمام واسطوں کو ختم کیا جائے تاکہ زمیندار کی پیداوار کی صحیح قیمت اسکو مل سکے نیز صارف کو تازہ اور سستی چیزیں میسر آسکیں۔ تمام منڈیوں اور آڑھتوں کو ختم کیا جائے اور براہ راست خرید و فروخت کے نظام کا اجراء کیا جائے۔

(۱۷) زرعی اجناس کی سمگلنگ کی روک تھام کی جائے۔

(۱۸) پیداوار پر صرف ایک دفعہ ۱/۱۰ (عشر) لیا جائے اس کے بعد اندرون ملک یا بیرون ملک بھیجنے کے لئے اس پر کسی قسم کا ٹیکس نہ لیا جائے کیونکہ کئی دفعہ ٹیکس لگانا ظلم ہے۔

تجارت کی فضیلت

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (الجمعہ، ۱۰)

ترجمہ: جب نماز ادا کر لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل (رزق) کو تلاش کرو

نماز جمعہ کے وقت تجارتی لین دین اسلامی احکام کے تحت ممنوع ہے۔ مگر نماز کے بعد اس کو جاری رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے تجارت کا مستحسن اور مطلوب شرع ہونا معلوم ہوتا ہے۔

قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرہ - ۲۷۵)

ترجمہ: وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ سودے کو خدا نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ (النور: ۳۷)

ترجمہ: (یعنی ایسے) لوگ جن کو خدا کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت۔ وہ اس دن سے جب دل (خوف اور گھبراہٹ کے سبب) الٹ جائیں گے اور آنکھیں اوپر چڑھ جائیں گی) ڈرتے ہیں۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرة - ۲۸۱)

ترجمہ: اور اگر قرض لینے والا تنگ دست ہو تو (اسے) کشائش (کے حاصل ہونے) تک مہلت (دو) اور اگر (زر قرض) بخش دو تو وہ تمہارے لئے زیادہ اچھا ہے۔ بشرطیکہ سمجھو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ○ (النساء - ۲۹)

ترجمہ: مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ حاصل ہو جائے تو وہ جائز ہے) اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا تم پر مہربان ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

«التاجر الصدوق الامين مع النبيين و الصديقين والشهداء،،

(ترمذی' باب البیوع)

ترجمہ: سچے اور امانتدار تاجر کا حشر نبیوں' صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔

۱۔ جامع ترمذی، ج ۲، کتاب البیوع

«التجار یحشرون یوم القیمۃ فجارا الا من اتقٰی و برّ و صدق،،

ترجمہ : قیامت کے دن تاجر فاجروں کی صف میں کھڑے ہوں گے ' سوائے ان کے جنہوں نے تقویٰ نیکی اور راست بازی کو اختیار کیا ہو گا۔

انتقال ملکیت

ایک شخص کی ملک کے دوسرے شخص کی ملکیت میں منتقل ہونے کے لئے اسلام نے چار طریقے وضع کئے ہیں ' بیع و شراء ' وصیت ' میراث اور ہبہ باقی تمام طریقے ان چاروں میں شامل ہیں۔

بیع و شراء

یعنی خرید و فروخت ' یہ اہم معاشی وسیلہ ہے ' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جو زریں اصول بیان فرمائے ہیں اگر دنیا ان کو اپنا لے تو تجارتی لوٹ کھسوٹ ' مصنوعی کساد بازاری ' ملاوٹ اور ذخیرہ اندوزی جیسے بدترین جرائم ختم ہو سکتے ہیں۔ یہ غلط تجارت ہی ہے جس کے بہانے استحصالی قوتوں نے دنیا کے ایک وسیع و عریض خطے کو اپنی غلامی کا طوق پہنا دیا اور آج بھی بیشتر اقوام اپنی تاجرانہ صلاحیتوں کی بنیادوں پر بام عروج پر پہنچی ہیں۔

تجارت کے اصول

بیچنے والا اور خریدنے والا ایک دوسرے کی ضرورت دفع کرنے کی خاطر خرید و فروخت کریں ' اور کوئی کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہ کرے۔

قرآن کریم میں ہے :-

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ المائدہ : ۲

ترجمہ : بھلائی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو ' اور گناہ اور ظلم پر ہرگز کسی کے ساتھ تعاون نہ کرو۔

۱- حوالہ مذکورہ

نیز ارشاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے:۔

لا ضرر ولا ضرار

ترجمہ: نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ اور نہ کسی سے نقصان اٹھاؤ۔

۳۔ فریقین کی رضامندی ضروری ہے۔ فرمان الٰہی ہے

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۗ النساء آیہ: ۲۹

ترجمہ: اے ایمان والو، تم آپس میں اپنے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔

اب یہ امر قابل غور ہے کہ حکومت کسی زمین یا منافع کو مقررہ ادائیگی کے بعد جبری قبضہ (Acquire) کرتی ہے تو آیا یہ درست ہو گا یا نہیں، اور اگر ہو گا تو کس حد تک؟ ایک صریح حدیث سے اس قسم کی بیع ممنوع ہے۔

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع المضطر، (۱)

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبر و زبردستی کی بیع سے منع کیا ہے۔

۳۔ فریقین میں سے کوئی مجنون، مجبور، مکرہ، معتوہ نہ ہو بلکہ دونوں عاقل و بالغ ہوں یا کم از کم اتنا بڑا بچہ ہو کہ خرید و فروخت کی سمجھ رکھتا ہو۔

۴۔ معاملہ میں کسی قسم کا دھوکہ، خیانت اور معصیت کا دخل نہ ہو، حدیث شریف میں ہے:۔

"افضل الكسب بيع مبرور وعمل الرجل بيده، الحديث والبيع المبرور هوالبيع الذى يبرفيه فلم يغش ولم يعص الله فيه۔ (۲)

ترجمہ: بہترین کمائی "بیع مبرور" ہے اور دستکاری ہے، اور بیع مبرور ایسی تجارت کو کہتے ہیں جو دھوکہ، خیانت اور اللہ کی معصیت سے پاک ہو۔

(۱) ابوداؤد: السنن، ج ۲، ابواب البیوع

(۲) عبدالرحمن الجزیری: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، جلد ۲ صفحہ ۲۰۲۔ شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغۃ، جلد ۲، صفحہ ۱۰۳۔

۵۔ ایسی تجارت جس میں ایک فریق کا فائدہ دوسرے فریق کے یقینی نقصان پر منتج ہونا جائز ہے۔ مثلاً جوا، لاٹری اور سٹہ خواہ کسی قسم کا ہو، قرآن کریم میں ہے۔

يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ البقرہ: ۲۱۹

ترجمہ: یہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کی بابت دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے ان دونوں باتوں میں بڑا گناہ ہے۔

۶۔ فریقین میں سے کسی ایک کی رضا اگرچہ بظاہر ہو مگر در حقیقت نہ ہو مثلاً سود دینا یا کسی مزدور کو محنت کے مقابلہ میں کم اجرت کا دینا ناجائز ہے، فرمان الٰہی ہے:۔

أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَوٰا ۚ البقرہ: ۲۷۵

ترجمہ: اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

۷۔ ایسی اشیاء کی خرید و فروخت جو اپنی ذات کے اعتبار سے ناپاک اور حرام ہوں، ناجائز ہے مثلاً خنزیر، شراب، بت، مردار، دم مسفوح، وغیرہ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:۔

«ان الله حرم بيع الخمر و الميسر والخنزير والاصنام،،۔ (۱)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی تجارت کو حرام قرار دیا ہے۔

اس میں سینما کی فلمیں، فحش گانوں کے ریکارڈ اور وہ تمام چیزیں جن میں شرانگیزی اور فحشاء کی اشاعت ہو شامل ہیں۔

۸۔ وہ تمام بیوع جن میں بعد کو لڑائی جھگڑا قائم ہونے کا خطرہ ہو، ممنوع ہیں۔ مثلاً غیر معین مدت کیلئے کسی چیز کو خریدنا یا کسی ایسی چیز کا بیچنا جو ابھی موجود نہ ہو۔ (۲)

مختصراً یہ تجارت کے اصول تھے تفصیلات کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اب بیع و شراء کی چند مزید صورتیں ملاحظہ ہوں:۔

---

(۱) عثمانی، ظفر احمد: اعلاء السنن، ۱۴/۱۰۳

(۲) ابو داؤد و ترمذی: کتاب البیوع: ۱۹ طلاق: ۷ وبیوع: ۶۸

مضاربہ

ایسی تجارت کو کہتے ہیں جس میں ایک طرف سرمایہ (رأس المال) ہوتا ہے اور دوسری جانب فقط محنت ہوتی ہے اور نفع و نقصان میں کسی تناسب سے شرکت ہوتی ہے، مثلاً نصف، ثلث یا ربع وغیرہ اور اللہ نہ کرے خسارہ ہو تو صرف صاحب المال برداشت کرے گا اور مضارب اپنی محنت کا معاوضہ نہیں طلب کرے گا، اگر بنکنگ کے نظام کو مضاربہ سے بدل دیا جائے تو ہم سود کی لعنت سے بچ سکتے ہیں۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ پاکستان میں ان خطوط پر علمی و عملی دونوں انداز سے کافی پیش رفت ہوئی ہے۔ اگرچہ ابھی کچھ اذہان جن میں سودی نظام سرایت کئے ہوئے ہے اس پر پوری طرح تیار نہیں، حالانکہ بعض مقامات پر معمولی تبدیلی سے بھی ہم حرام اور نجس سے بچ سکتے ہیں، لیکن جب ایک انسان کی پوری تربیت غیر اسلامی ماحول میں ہوئی ہو، اور اس کے نزدیک سوائے دنیاوی سود و زیاں کے اور کوئی سود و زیاں سرے سے نہ ہو تو اس سے کسی خیر کی توقع عبث ہے۔

مفاوضہ

ایسے تجارتی کاروبار کا نام ہے جس میں کمپنی کے طور پر لوگ اپنا اپنا مال دے کر شریک بن جاتے ہیں۔ اور نفع و نقصان میں شریک ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کیلئے وکیل و کفیل اور اس معاملہ کے تمام حالات میں ذمہ دار رہتے ہیں۔ اس میں ہر قسم کی شرکت برابری کی بنیاد پر ہوتی ہے ۲

شرکت صنائع

اس میں چند ہم پیشہ لوگ مل کر چیزیں تیار کرتے ہیں اور نفع و نقصان کی شرکت کے ساتھ کاروبار کرتے ہیں۔

شرکت وجوہ

اس میں مال کسی کا نہیں ہوتا بلکہ چند لوگ مل کر اپنی ذاتی وجاہت، دیانتداری اور تجربہ کی بنا پر لوگوں کا روپیہ بطور قرض اکٹھا کر کے کاروبار کرتے ہیں۔ اور اس کے نفع و نقصان میں شرکت کرتے ہیں۔ شرکت کی یہ قسم صرف فقہاء احناف کے ہاں جائز ہے۔ ۳

۱- مرغینانی الهدایه، ج ۲، کتاب المضاربة

۲- حواله بالا ، کتاب الشرکة

۳- حواله بالا

بیع سلف یا سلم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

«من اسلف فی تمر فلیسلف فی کیل معلوم و وزن معلوم الی اجل معلوم۔ (۱)

ترجمہ: جو شخص بیع سلف کرے کھجوروں میں تو اسے چاہئے کہ معین پیمانہ معین وزن میں معینہ مدت تک کیلئے کرے۔

فقہاء کے نزدیک بیع سلم کی تعریف یہ ہے کہ "بیع آجل لعاجل" وہ چیز جو آئندہ مدت میں پائی جائے گی اس وقت قیمت لیکر بیچ دی جائے اب یہ بیع در حقیقت معدوم یعنی غیر موجود کی ہے۔ مگر اس کو لوگوں کی ضروریات کے باعث چند شرائط کے ساتھ جائز رکھا گیا ہے۔ زراعت پیشہ لوگوں کو عام طور پر روپے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاص طور پر جب بوائی کا موسم آتا ہے، لہٰذا وہ لوگوں سے پیسہ طلب کرتے ہیں، تو شرعاً یہ اجازت ہے کہ ایک شخص غلہ یا پھل وغیرہ اس طرح خریدے کہ ان کی قیمت ابھی ادا کر دے اور وہ چیزیں فصل تیار ہونے پر لے لے اس میں وہ تمام شرائط ملحوظ ہونگی جو شرعاً معتبر ہیں۔

اس نظام کو دیانتدارانہ طریق پر رائج کر کے کسانوں کو سودی قرضوں سے نجات دلائی جا سکتی ہے۔

ہبہ

انتقال ملکیت کا دوسرا طریقہ ہبہ ہے جس کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ اپنی ملکیت کسی دوسرے کی ملکیت میں بخوشی بلا عوض منتقل کر دینا۔ یہ عام طور پر غرباء کی حاجت رفع کرنے کے لئے یا دوستوں اور رشتہ داروں کیلئے ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں اس کو معاشرتی محبت پیدا کرنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔

«تھادوا اتحابوا» (۲)

ترجمہ آپس میں ہدیہ کا لین دین کرو تو محبت پیدا ہوگی۔

---

(۱) صحیح مسلم، جلد، ۱، صفحہ، ۱۳، طبع بیروت۔

(۲) جامع صغیر، جلد ۱، صفحہ ۳۵۳۔

وقف

یعنی کسی جائیداد یا کسی بھی چیز کا خدا کے نام پر دے دینا تا کہ اس کی آمدن فقراء غرباء مساکین، قرض خواہوں، ذوی القربیٰ، یتامی وغیرہ پر صرف کی جائے۔ اب اس کو نہ تو کوئی بیچ سکتا ہے اور نہ ہی یہ وقف کے وارثوں میں تقسیم ہو سکتی ہے۔ (۱)

اسلامی نظام معیشت میں یہ رفاہ عامہ کا ایک ادارہ ہے اگر مسلمان اصحاب مال اس پر توجہ کریں تو ملک میں غربت و افلاس کا خاتمہ ممکن ہے۔

وصیت

مرنے سے پہلے اپنی ملکیت یا اس کے منافع کو کسی شخص یا ادارہ کیلئے دینے کی تاکید کر دینا یا لکھ جانا، وصیت ہے قرآن کریم میں وصیت کے احکام مذکور ہیں اور اس کو وراثت سے مقدم رکھا گیا ہے تاہم یہ مرنے والے کے تہائی مال سے زائد میں نافذ العمل نہیں۔ اور چونکہ وصیت وارثوں کیلئے شرعاً نہیں ہو سکتی ہے اس لئے وصیت سے دولت کی گردش میں مزید مدد ملتی ہے۔

میراث

کسی شخص کے مرجانے کے بعد اس کی تمام منقولہ وغیر منقولہ جائیداد لازماً اس کے وارثوں میں تقسیم کرنا ہوتی ہے۔ وارثوں کی تفصیلات قرآن و سنت میں مذکور ہیں۔ اگر میراث کا نظام اپنے حقیقی معنوں میں نافذ ہو جائے، تو بڑی بڑی زمینداریاں یقیناً چھوٹے یونٹوں میں خود بخود تقسیم ہو جائیں گی۔ اور چند ہاتھوں میں دولت کا ارتکاز ختم ہو جائے گا، دولت صرف ایک خاندان ہی میں گردش نہیں کرتی رہے گی۔ اگر ایک شخص کی لڑکی یا لڑکے کو زمین سے حصہ ملتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ لڑکی کا شوہر، اور لڑکے کی بیوی بھی اس جائیداد سے استفادہ کریں گے۔ اور پھر یہ سلسلہ آگے چل نکلے گا۔

تفلیس (دیوالہ)

تجارت سے متعلقہ ایک قانون دیوالیہ ہے۔ دیوالیہ یا تفلیس کی صورت کو اسلام نے عادلانہ

۱- ابن عابدین : ردالمحتار، جلد، ۳ کتاب الوقف و جامع الفصول جلد ۲، صفحہ، ۱۷۷

طریقہ پر تسلیم کیا ہے۔ اسلامی کونسل کی اس سلسلہ میں سفارشات کو نافذ کیا جانا چاہئے۔ مضاربہ آرڈیننس کو کونسل کی پیشگی منظوری کے بغیر نافذ کیا گیا اس میں بعض غیر اسلامی دفعات کو اسلام کے مطابق بنایا جانا ضروری ہے۔

انضباط قیمت وانسداد نفع خوری وذخیرہ اندوزی ایکٹ ۱۹۷۷ء

اس قانون میں انضباط قیمت کے جو طریقہ وضع کئے گئے ہیں وہ شرعی احکام سے مطابقت نہیں رکھتے۔

قانون شراکت ' ۱۹۳۲ء ' قانون دادرسی مختص ' ۱۹۷۷ء ' قانون جائیداد ۱۸۸۲ء کو بھی کونسل از سرنو مرتب کرنے کی سفارش کر چکی ہے۔

قانون بیع مال ' ۱۹۳۰ء

اس قانون کو بالکل نئے سرے سے نافذ کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اسلامی نظام تجارت میں جو عادلانہ اوصاف پائے جاتے ہیں وہ اس قانون میں ترمیم واضافہ کے ذریعے شامل کرنا بہت مشکل عمل ہے بیع کی جائز صورتوں کا ذکر اور اس کی حرام صورتوں کی تفصیل اس قانون میں جب تک ذکر نہ کی جائے تب تک یہ قانون نامکمل ہی کہلائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔ انسان کی ہر جائز کمائی بیع کے تحت آتی ہے۔ بیع ' مال میں جائز اور منصفانہ بڑھوتری کا دوسرا نام ہے جبکہ سود کو لوٹ کھسوٹ کا طریقہ کہا جائے گا اور انسان کی ہر ناجائز کمائی سود کے تحت آتی ہے۔

(۱) اسلام جو تجارتی حقوق عطا کرتا ہے موجودہ قانون ان کو تسلیم نہیں کرتا۔ حقوق مالیہ اور غیر مالیہ اور پھر ان حقوق سے متعلقہ دیگر حقوق ارتفاق کا احاطہ اور حق کیا ہے اور اس کا انتقال کن کن صورتوں میں ہوتا ہے کا تذکرہ بھی اس قانون میں نہیں کیا گیا۔

(۲) معاہدہ بیع میں جو شرائط اسلامی شریعت عائد کرتی ہے وہ موجود قانون میں ناپید ہیں۔

(۳) بیع کی انواع۔ بیع باطل اور بیع فاسد کی تمام تفصیلات کا فقدان ہے۔

(۴) اسلام مال کی تعریف میں مال متقوم اور غیر متقوم کا جو بنیادی فرق وضع کرتا ہے وہ اس

قانون میں موجودہ نہیں ہے۔

(۵) بیع کی جائز اقسام مثلاً بیع سلم۔ بیع استصناع وغیرہ کو بھی قانونی حیثیت دی جانی ضروری ہے۔

(٦) تجارت میں اشتراک کیلئے جو صورتیں اسلامی قانون وضع کرتا ہے ان کو بھی اس قانون کے تحت لیا جانا چاہیئے۔

لہٰذا اس قانون کو از سر نو مرتب اور نافذ کئے جانے کی سفارش کی جاتی ہے۔ جیسا کہ کونسل نے اپنے اجلاس منعقدہ دسمبر ۱۹۸۳ء میں بھی ایسی سفارش کی ہے۔

انواع بیع الباطل (بیع کی باطل اقسام)

۱۔ بیع المعدوم ایسی چیز کی بیع باطل ہے جس کے معدوم ہونے کا خطرہ موجود ہو۔ مثلاً ثمر اور زرع، ان کے ظاہر ہونے سے قبل کی بیع وغیرہ۔

(الف) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیع حبل الحبلہ (۱)

ترجمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاملہ کے حمل کی بیع سے منع فرمایا۔

(ب) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تباع ثمرہ حتی تطعم۔ (۲)

ترجمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے قابل ہونے سے پہلے پھلوں کی فروخت سے منع فرمایا۔

(ج) نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الثمار حتی یبدو صلاحھا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کے پکنے سے قبل ان کی فروخت کو منع فرما دیا

بیع معدوم میں اصل بات غرر ہے جب غرر کا شائبہ نہ ہو تو ایسی چیز کی بیع جس کا تسلیم کیا جانا ممکن ہو وہ جائز ہے مثلاً بھیڑوں پر اون وغیرہ۔

بیع معجوز التسلیم

ایسی چیزوں کی بیع جس کو بائع دینے سے عاجز ہو باطل ہے مثلاً ہوا میں پرندہ یا پانی میں مچھلی یا دشمن کے قبضے میں مکان یا زمین کی فروخت وغیرہ۔

---

(۱) رواہ البخاری ومسلم و احمد و الموطا و ابوداؤد و النسائی والترمذی عن ابن عمر۔ انظر جامع الاصول ج ۱ ص ۴۴۱۔ نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۴۷۔

(۲) نصب الرایہ ج ۴ ص ۱۱ نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۴۹۔

(الف) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیع الحصاۃ وعن بیع الغرر (۱)

ترجمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع حصاۃ اور بیع غرر سے منع فرمایا۔

(ب) عن ابن مسعود ان رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تشتروا السمک فی الماء فانہ غرر۔

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی میں مچھلی کو مت خریدو کیونکہ یہ دھوکہ ہے۔

(ج) "لا تبع مالیس عندک"

ترجمہ جو تمہارے پاس نہیں اسے نہ بیچو۔

(د) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تبع ما لم یقبض (۲)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک قبضہ نہ کر لو نہ بیچو۔

بیع الدین

قرض کی قرض سے بیع ناجائز ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیع الکائی بالکائی (ای الدین بالدین) (۳)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض کی قرض سے فروخت کو منع فرمایا۔

---

(۱) رواہ مسلم و ابوداؤد: کتاب البیوع۔

(۲) رواہ ترمذی و ابوداؤد و البخاری و مسلم و النسائی، کتاب البیوع۔

(۳) رواہ الدار قطنی و رواہ الطبرانی عن رافع بن خدیج وھبۃ الزحیلی ۴/۳۲۴۔

بیع الغرر

غرر کی تعریف

قال الامام السرخسی الحنفی: الغرر مایکون
مستور العاقبه (۱)

ترجمہ امام سرخسی حنفیؒ نے فرمایا غرروہ ہے جس کا انجام پوشیدہ ہو۔

قال القرافی المالکی: الغرر ھو الذی لا یدری
ھل یحصل ام لا (۲)

ترجمہ امام قرافی مالکیؒ فرماتے ہیں غرروہ ہے جس کا ملنا یا نہ ملنا معلوم نہ ہو۔

قال الشیرازی الشافعی: الغرر: ما انطوی عنه امره
وخفی علیه عاقبه (۳)

ترجمہ شیرازی شافعیؒ فرماتے ہیں غرر سے جس کا معاملہ الجھا ہوا اور جس کا انجام پوشیدہ ہو۔

قال ابن تیمیه: الغرر: ھو مجھول العاقبه (۴)

ترجمہ امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا غرروہ ہے، جس کا انجام نامعلوم ہو۔

قال ابن القیم: ھو مالا یقدر علی تسلیمه

ترجمہ ابن قیم جوزیہؒ کی رائے میں غرروہ ہے، جس کی سپردگی ناممکن ہو۔

قال ابن حزم الغرر مالا یدری المشتری ما اشتری او البائع ما باع (۵)

ترجمہ ابن حزمؒ نے فرمایا غرروہ ہے، جس کے خریدار کو نہ معلوم ہو کہ اس نے کیا خریدا اور جس کے فروخت کنندہ کو نہ معلوم ہو کہ اس نے کیا فروخت کیا۔

---

(۱) المبسوط ۱۲ ص ۱۹۴

(۲) الفروق ج ۲ ص ۲۶۵

(۳) المھذب ج ۱ ص ۲۶۲

(۴) الفتاوی لابن تیمیه ج ۲ ص ۲۷۵

(۵) المحلی ج ۸ ص ۲۹۲۸

ان سب تعاریف میں ایک بات مشترک ہے کہ بیع میں غرر ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ وہاں ایسا خطرہ موجود ہو کہ شاید ہو یا شاید نہ ہو۔ ان سب تعریفوں میں سے راجح اور بہتر تعریف علامہ سرخسی کی ہے۔ اور اس بات پر فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ بیع الغرر درست نہیں ہے۔ ایسی بیوع جو غرر کی وجہ سے غیر صحیح ہو جاتی ہیں ان کی بے شمار مثالیں ہیں۔ ہر وہ بیع جو مجہول الذات یا مقدار ہونا جائز ہے۔ مثلاً:۔

(الف) بیع المضامین

(ب) بیع الملامسه

(ج) بیع المنابذة

(د) بیع الحصاة یعنی بیع کی قیمت وصول کر کے کسی چیز پر پتھر یا تیر پھینکنا جس کو بھی لگے وہ تمہارا ہے۔

(ہ) بیع ضربہ الغائص اوضربہ الغواص غوطہ زن کی بیع کہ اس کے ایک غوطہ یا چند غوطوں میں جو ہاتھ لگے وہ فروخت کرے گا۔

(و) بیع مذابنہ یعنی پھل کو درختوں پر فروخت کرنا۔

(ر) بیع المحاقلہ یعنی گندم کو خوشوں میں فروخت کر دینا۔

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المزابنة والمحاقلة (۱)

ترجمہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درختوں پر پھل یا خوشوں میں گندم کی فروخت سے منع فرمایا۔

عن ابی هريرة رضی الله عنه ان النبی صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الثمر ورخص فی العرايا (۲)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھل کو پھل سے فروخت سے منع فرمایا، البتہ عرایا کی آپ نے اجازت فرمائی۔

عن ابن مسعود ان النبی صلى الله عليه وسلم قال لا تشتروا السمک فی الماء فانه غرر۔ (۳)

(۱) بخاری ومسلم من حديث جابر بن عبدالله وابی سعيد الخدری، نصب الرايه ج ۴ ص ۱۲

(۲) بخاری و مسلم و احمد بحواله نصب الرايه ج ۴ ص ۱۳، نيل الاوطار ج ۵ ص ۲۰

(۳) رواه اصحاب الستة نيل الاوطار ج ۵ ص ۱۴۲ نصب الرايه ج ۴ ص ۵۲

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی میں مچھلی کو مت خریدو کیونکہ یہ دھوکہ ہے۔

بیع النجس والمتنجس

مال غیر متقوم کی بیع مثلاً خمر، خنزیر، خون، کتے، جسم فروشی اور حلوان الکاھن وغیرہ حرام ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، زنا کا معاوضہ اور کاہن کی اجرت سے منع فرمایا۔

عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہ نھی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن ثمن الکلب و مھر البغی و حلوان الکاھن (۱)

ترجمہ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتا کی قیمت، فاحشہ عورت کا معاوضہ اور کاہن کی شرینی لینے سے منع فرمادیا۔

قال الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان اللّٰہ ورسولہ حرم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والاصنام (۱)

ترجمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے خمر (شراب) مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع (خرید وفروخت) کو حرام فرمادیا ہے۔

بیع العربان

بیع میں ایسی پیشگی آدائیگی (بیعانہ) جو مدت گزرنے کے بعد بائع کی ملکیت بن جائے ناجائز ہے۔ مدت خیار شرعاً جائز ہے لہٰذا مزید تاوان غرر محض ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع العربان (۲)

ترجمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اعریان سے منع فرمایا۔

---

(۱) صحیح البخاری : کتاب البیوع ۱۰۲، ابن ماجہ : تجارات : ۱۱
(۲) حدیث منقطع رواہ احمد و النسائی وابو داؤد و مالک

بیع الماء

پانی انسانی حیات کے لئے بنیادی ضرورت ہے لہٰذا اسلام نے اس کی فروخت کو ناجائز قرار دیا ہے۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسلمون شرکاء فی ثلاث: الماء والکلاء والنار۔ (۱)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمان تین چیزوں یعنی پانی، جنگلی گھاس اور آگ میں برابر کے شریک ہیں۔

حضرت عثمانؓ نے یہود سے ' بیئر رومہ خرید کر پانی کی فروخت کا خاتمہ فرما دیا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

من یشتری بئر رومہ فیوسع بہا علی المسلمین ولہ الجنۃ (۲)

ترجمہ جو شخص بیئر رومہ کو خریدے اور اسے مسلمانوں پر عام کر دے اس کے لئے جنت ہے۔

بے جا صرف مال اور عیش کوشی

تبذیر و اسراف:

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ (۱) سورۃ الاسرا ۲۶-۲۷

ترجمہ: اور مال کو فضولیات میں نہ اڑا بیشک فضولیات میں اڑا دینے والے شیطانوں کے بھائی بند ہوتے ہیں۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝ سورۃ اعراف: ۳۱

ترجمہ: کھاؤ اور پیو لیکن اسراف سے کام نہ لو بیشک وہ (اللہ) مسرفوں کو پسند نہیں کرتا۔

---

(۱) ابو داؤد: السنن، ج ۲، کتاب البیوع ۶۰، احمد بن حنبل جلد ۵ ۳۶۴

(۲) مسلم باب شرب ۱، ترمذی مناقب: ۱۸

(۱) مسند ابوداؤد الطیالسی ص ۲۵ طبع حیدرآباد، احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۷

بچت اور بڑھوتری

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾
سورة الفرقان

ترجمہ: (اللہ کے بندے وہ ہیں) جو خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں نہ بخل بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال کی روش اختیار کرتے ہیں۔

كلوا واشربوا والبسر و تصدقوا من غير اسراف ولا مخيلة (۱)

ترجمہ: کھاؤ پیو اور صدقہ کرو مگر اس میں اسراف یا گھمنڈ نہ ہو۔

ايا ک و التنعم فان عباد الله ليسوا بالمتنعمين (۲)

ترجمہ: خبردار عیش کوشی سے اجتناب کرو کیونکہ اللہ کے بندے عیش کوش نہیں ہوتے۔

گردش دولت کی ناہمواری

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ
آل عمران : ۱۸۰

ترجمہ: اور جو لوگ اس مال میں بخل کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دے رکھا ہے وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے حق میں اچھا ہے، نہیں بلکہ یہ ان کے حق میں برا ہے۔

---

(۱) بخاری، کتاب اللباس، باب اول، حدیث : ۱، ابن ماجه لباس : ۲۳
(۲) مشکوة، باب فضل الفقراء

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ( ) توبه : ۳۴

ترجمہ: اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو عذاب الٰہی کی خبر دے دو۔

لذات دنیا میں انہماک کی مذمت

اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (.) الحدید: ۲۰

ترجمہ: جان لو کہ دنیا (پرستی) کی زندگی لہوولعب، زینت و آرائش باہمی مفاخرت اور مال و دولت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کا نام ہے۔

عیش کوشی کی ممانعت میں قانون کا دخل اور بچت کی ترغیب

ان الله ليرعى بالسلطان مالا يرعى بالقران (۱)

ترجمہ: اللہ سلطان کے ذریعہ ان امور کی نگرانی کر لیتا ہے جن کی نگرانی قرآن کے ذریعہ نہیں کرتا۔

مايزع الامام الكثر مما يزع بالقران (۲)

ترجمہ: جتنا کچھ امام (بزور قانون) درست رکھتا ہے وہ اس سے زیادہ ہے جو قرآن (ترغیب کے ذریعہ) درست رکھتا ہے۔

---

(۱) سراج الملوک للطرطوشی ص ۴۹

(۲) احکام القرآن، قرطبی جلد ۶، ص ۳۲۵

قدرتی عوامل کے تحت اشیاء کی گرانی

اصاب الناس سنة فقالوا یا رسول اللّٰہ سعر لنا قال لا یسئلنی اللّٰہ عن سنة احدثتها علیکم لم یامرنی بها ولکن سلوا اللّٰہ من فضله۔ (۱)

ترجمہ: لوگ قحط کے شکار ہوئے تو انہوں نے کہا اے رسول خدا! ہمارے لئے نرخ مقرر کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا نہیں اللہ مجھ سے ایسے طریقہ کے بارے میں جواب طلب کرے گا جس کا اس نے مجھے حکم نہ دیا ہو اور میں اسے اپنی طرف سے اختراع کر لوں۔ بلکہ تم اللہ سے اس کے فضل کے لئے دعا کرو۔

عن انس قال قال الناس یا رسول اللّٰہ غلا السعر فسعر لنا فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ان اللّٰہ هو المسعر القابض الباسط الرزاق وانی لارجوان القی اللّٰہ ولیس احد منکم یطالبنی بمظلمة فی دم ولا مال (۲)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! نرخ گراں ہو گئے ہیں لہٰذا آپ ہمارے لئے نرخ مقرر کر دیجئے۔ تو رسول اللہؐ نے فرمایا اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا (اشیاء کی پیداوار میں) تنگی پیدا کرنے والا، فراخی پیدا کرنے والا اور رزق عطا کرنے والا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ خدا کے حضور اس حال میں حاضر ہوں کہ تم میں سے کوئی مجھ سے کسی ظلم کا بدلہ طلب کرنے والا نہ ہو جو جان یا مال کے سلسلہ میں کیا گیا ہو۔

احتکار کے سدباب کے لئے اسلام کا طریقہ کار

من احتکر یرید ان یتغالی بها علی المسلمین فهو خاطئ وقد برئت منه ذمة اللّٰہ (۳)

ترجمہ: جو مسلمانوں کے لئے نرخ گراں کرنے کی غرض سے ذخیرہ اندوزی کرے وہ غلط کار ہے اور اللہ اس سے بری ہے۔

---

(۱) طبرانی کبیر بحوالہ کنز العمال حدیث نمبر ۹۶۳۱

(۲) ابوداؤد: السنن، ج ۲، کتاب البیوع باب تسعیر

(۳) مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۱۲

فقال معقل بن یسار سمعت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من دخل فی شئی من اسعار المسلمین لیغلیہ علیھم کان حقہ علی اللہ تبارک وتعالیٰ ان یقذفہ فی معظم النار یوم القیامہ (۱)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص مسلمانوں کے بازار کے نرخ میں اس لئے دخل دے کہ اسے گراں کر دے تو اللہ تعالیٰ کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن اسے دوزخ کے زیادہ تکلیف دہ حصہ میں ڈال دے۔

اسلام تبخیس اشیاء کو فساد سے تعبیر کرتا ہے

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ (۰) هود: ۸۵

ترجمہ: اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔

من ضار ضار اللہ بہ ومن شاق شاق اللہ علیہ (۲)

ترجمہ: جو کسی دوسرے کو نقصان پہنچائے گا اس کو اللہ نقصان پہنچائے گا اور جو کسی کو تکلیف دے گا اس کو تکلیف میں مبتلا کرے گا۔

عن عقبۃ بن عامر الجھنی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول المسلم اخوا المسلم ولایحل لمسلم ان باع من اخیہ بیعا فیہ عیب الا بینہ لہ (۳)

عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ اس نے اپنے

---

(۱) مسند ابوداؤد الطیالیسی ص ۲۵،

(۲) ترمذی : الجامع، ابواب البرو الصلہ : ۲۷

(۳) حاکم : مستدرک، جلد ۲، صفحہ ۸

بھائی کے ہاتھ کوئی ایسی چیز فروخت کی ہو جس میں کوئی نقص ہو اور وہ اس کو اس نقص سے آگاہ نہ کر دے۔

مزدور کے دکھ کا علاج صرف اسلام کے پاس ہے

اخوانکم خولکم جعل اللّٰہ تحت ایدیکم فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا تکلفوھم مما یغلبھم فان کلفتموھم فاعینوھم(۱)

تمہارے بھائی بندی تو تمہارے (ماتحت) خادم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارا ماتحت بنا دیا ہے پھر جس کا بھائی کسی کے ماتحت ہو اسے چاہئے کہ جو خود کھاتا ہو وہی اسے کھلائے اور جو خود پہنتا ہو وہی اسے پہنائے اور ان پر اتنا کام نہ لادو کہ جو انہیں مغلوب کر دے اور اگر ان پر بار ڈالنا ہی پڑ جائے تو ان کے شریک حال بن کر ان کا تعاون کرو۔

غرر تمام معاملات میں ناپسندیدہ ہے

غش و غرر سود و قمار اور دیگر ایسی ہی صورتوں سے سرمایہ جمع کرنا بھی اسلام کی نظر میں حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے

نہی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن بیع الغرر،،

ترجمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکہ کی خرید و فروخت سے منع فرمایا۔

علامہ الکاسانی غرر کی تعریف کرتے ہیں:

وقال الکاسانی: الغرر ھو الخطر الذی استوی فیہ طرف الوجود والعدم بمنزلۃ الشک،، (۲)

---

(۱) بخاری شریف: کتاب الایمان: ۲۲

(۲) بدائع الصنائع للکاسانی ۵: ۱۶۳ بحوالہ نظریۃ الغرر فی الشریعۃ الاسلامیۃ ص/۴۷

ترجمہ: علامہ کاسانی فرماتے ہیں غرر اس خطرے کا نام ہے جس میں وجود اور عدم کا شک مساوی حیثیت میں پائے جائیں۔

ابن عابدین نے غرر کی تعریف میں لکھا ہے:

الغرر هو الشک فی وجود المبیع (۱)

ترجمہ: غرر فروخت شدہ چیز کے وجود میں شک کا نام ہے۔

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:۔

الغرر ما یکون مستور العاقبة (۲)

ترجمہ: غرر سے مراد وہ حالت ہے جس میں انجام کا پتہ نہ ملے۔

الدسوقی فرماتے ہیں:

الغرر التردد بین امرین احدهما علی الغرر والثانی علی خلافه (۳)

ترجمہ: غرر اس تردد کو کہتے ہیں جس میں غرر کے ہونے یا نہ ہونے کا احتمال ہونے کی وجہ سے آدمی متردد ہو۔

ابن اثیر فرماتے ہیں:۔

وقد ارتضیت لنفسی تعریف ابن الاثیر: الغرر هو ماکان له ظاهر یعرفها المشتری وباطن مجهول۔ (۴)

ترجمہ: مجھے ابن الاثیر کی تعریف پسند آئی ہے: یعنی غرر وہ ہے جس میں مشتری ظاہر کو تو جانتا ہو مگر باطن میں دھوکہ سے بے خبر ہو۔

---

(۱) ابن عابدین ۵: ۶۲

(۲) المبسوط للسرخسی ۱۲:۱۹۴ بحوالہ نظریة الغرر ص/۴۲

(۳) الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳:۵۵ ایضاً ص/۴۳

(۴) ابن الاثیر: البدایة و النهایة ۱:۳:۳۳۵ بحوالہ ایضاً ص ۴۵

محنت کی عظمت

وسائل پیداوار (Means of Production) میں محنت (Labour) کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو محنت کی عظمت سے آشنا کیا آپ نے فرمایا "الکا سب حبیب اللہ" ترجمہ۔ کمائی کرنے والا اللہ کا پیارا ہے۔

ایک صحابی کا واقعہ

ایک صحابی نے کھڑے ہو کر کچھ سوال کیا' آپ نے فرمایا کیا تمہارے گھر میں کچھ ہے؟ اس نے کہا جی ہاں ایک پیالہ ہے ایک چادر ہے جس کا کچھ حصہ ہم پہنتے ہیں اور کچھ بچھاتے ہیں' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چیزیں منگوا کر اعلان کیا' کون ہے جو ان دونوں چیزوں کو خرید تا ہے؟ ایک صاحب بولے' میں ایک درہم میں ان دونوں چیزوں کو خرید تا ہوں' آپ نے پھر فرمایا کہ ایک درہم سے زائد کون دیتا ہے' ایک صحابی نے کہا میں دو میں خریدنے کو تیار ہوں۔ آپ نے اسکو یہ دونوں چیزیں دے کر دو درہم اس شخص کو دے دیئے اور فرمایا ایک درہم کا کھانا خرید کر گھر والوں کو دیدو اور دوسرے درہم کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس آ جاؤ۔ جب کلہاڑی لیکر آئے تب آپ نے دست اقدس سے ایک لکڑی چھیل کر دستہ تیار کیا اور اس میں لگا دیا' پھر فرمایا جاؤ اس سے لکڑیاں کاٹ کر فروخت کرو اور پندرہ دن کے بعد پھر میرے پاس آنا۔ جب پندرہ دن کے بعد وہ صحابی آئے تو دس درہم ان کے پاس تھے' جن سے انہوں نے گھر کی چیزیں خرید لیں۔ آپ نے فرمایا "یہ تمہارے لئے بھیک مانگنے سے بہتر ہے"۔ (۱)

افسوس! جس امت کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) خلفاء اور پیشواؤں نے اپنی تمام زندگیاں عمل پیہم اور جہد مسلسل کی نذر کر دی تھیں آج وہ امت عملی میدان میں تمام اقوام کے پیچھے ہاتھ باندھے کھڑی ہے۔ ہمارے مزدور' کاشتکار' صنعتکار' سائنس دان' اطباء جب کسی ایسے ملک میں جاتے ہیں جہاں دوسری اقوام کے ساتھ کارکردگی میں مقابلہ ہو تو وہ پیچھے رہ جاتے ہیں' اس طرح دنیا کا تاثر ان کے بارے میں تو خراب ہو گا ہی' اسلام کے بارے میں بھی اچھا نہیں رہتا کوشش کرنا حکم اور فرمان خداوندی ہے۔

---

(۱) ابو داؤد جلد ۱' صفحہ ۲۶۰' طبع بیروت۔

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی النجم : ۳۹

ترجمہ : اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

اس ایمان وایقان کے بعد انسان کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ دنیا "دارالعمل" ہے اس کارگہہ حیات میں 'جدوجہد' اور کوشش اسلام کی اہم تعلیم ہے۔ انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی فکری و عملی خداداد صلاحیتوں کے ساتھ میدان عمل میں کود پڑے۔ پھر نتیجہ اپنے رب پر چھوڑ دے کہ انجام کا مالک وہی ہے۔

کسب حلال کا حکم

اسلام نے کسب پر کچھ پابندیاں عائد کی ہیں تا کہ انسان کا کسب جانوروں کے کسب سے مختلف و ممتاز ہو جائے۔ رزق کو حاصل کرتے وقت وہ صورتحال پیدا نہ ہو جو جانوروں میں رونما ہوتی ہے کہ طاقتور کمزور کو دھکا دیکر ہٹا دیتا ہے اور اس کے حصہ پر قابض ہو جاتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے۔

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝
المائدہ، ۸۸

ترجمہ : اور کھاؤ ان چیزوں میں سے جو اللہ نے تم کو بخشی ہیں حلال اور پاکیزہ اور بچے رہو اس خدا کی ناراضگی سے جس پر تم ایمان لائے ہو۔

نیز فرمایا:۔

کسی بھی مسئلہ کی اہمیت اس کی مقصدیت سے واضح ہوتی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نظام معیشت دنیا کو عطا فرمایا ہے وہ اپنے مقصد کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔

نظام معیشت کے مقاصد

اسلامی نظام معیشت کے مقاصد (Objectives) کو سامنے رکھے بغیر نہ تو یہ نظام آپ کی سمجھ میں آسکتا ہے، اور نہ ہی اس نظام کی عملی تشکیل ممکن ہے۔ جب آپ کسی مکان کی تعمیر کرتے ہیں تو تعمیر سے پہلے اپنے ذہن میں اس مقصد کو رکھتے ہیں جس کے لئے اس مکان کی تعمیر ہو رہی ہے۔ اگر آپ اس میں قدرتی ہوا سے مستفید ہونا چاہتے ہیں تو تعمیر کی ایک نوعیت ہوتی ہے۔ اور اگر آپ اس میں اے سی

لگانا چاہتے ہیں تو تعمیر کی نوعیت دوسری ہوتی ہے۔ اگر آفس رکھنا مقصود ہے تو اس طریقہ پر بناتے ہیں۔ اور اگر دکان کھولنی ہوتی ہے تو اس کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے تعمیر کرتے ہیں! اب اگر کوئی شخص دکان کی بنیادوں اور دیواروں وغیرہ کو دیکھ کر کہے کہ جناب یہ گھر تو بے کار ہے، اس میں رہائشی سہولتیں موجود نہیں ہیں۔ تو آپ یہی کہیں گے کہ ہم نے اس کو رہائش کے لئے بنایا ہی نہیں ہے تو اس میں رہائشی سہولتوں کی تلاش بے سود ہے (علی ہذا القیاس) اب اسلامی نظام معیشت سے وہ توقعات وابستہ کرنا اور نتائج کی امید کرنا جو دوسرے نظام ہائے معیشت کا خاصہ ہیں بے کار ہے۔ آپ پہلے ان مقاصد کو دیکھیں پھر یہ طے کریں کہ آیا آپ ان مقاصد سے متفق ہیں یا نہیں پھر اس نظام کو نافذ کر کے دیکھیں کہ آیا اس سے وہ مقاصد پورے ہوتے ہیں یا نہیں جن کے لئے یہ وضع کیا گیا ہے۔ اسلامی نظام معیشت کے بڑے مقاصد یہ ہیں:

(الف) فطری آزادی

انسان فطری طور پر آزاد پیدا ہوا ہے 'ایک انسان دوسرے انسان کی غلامی کیلئے پیدا نہیں ہوا ہے' اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

اِتَّخَذُوٓا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ التوبہ: ۳۱

ترجمہ: انہوں نے اپنے علماء اور صوفیاء کو اللہ کے سوا اپنا رب (آقا) بنالیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے حکام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا'

مذکم استعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا (۱)

اگر آپ غور فرمائیں تو اسی فطری شخصی آزادی پر اسلامی عقیدہ سزا و جزاء کا قائم ہے۔ فرمان الٰہی ہے "کل یعمل علی شاکلتہ"[۲] نیز "لیس للانسان الا ما سعی"[۳] ترجمہ۔ انسان کو اس کا بدلہ ملے گا جو اس نے کوشش کی

---

(۱) سیوطی، جلال الدین: حسن المحاضرہ، جلد ۲ صفحہ ۲

(۲) بنی اسرائیل: ۸۴

(۳) النجم: ۳۱

ہے۔ اسی قرآنی بنیاد پر اللہ کے یہاں پر انسان سے الگ الگ اس کے اعمال کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔ اجتماعی طور پر کسی پوری ملت کا حساب وکتاب نہیں ہوگا۔ اس انفرادی جواب دہی کیلئے ضرورت ہے کہ انسان کو اپنی شخصیت کا ارتقاء خود اپنی صلاحیتوں کے مطابق کرنیکی آزادی میسر ہو' معاشی آزادی یا معاشی قید انسان کی تمام فکری و عقلی قوتوں پر اثرانداز ہوتی ہے۔ ایک انسان جو معاشی طور پر خود کفیل نہ ہو بلکہ کسی ادارے یا حکومت کا دست نگر ہو نہ تو کوئی آزادانہ رائے رکھ سکتا ہے اور رکھتا بھی ہو تو عمل نہیں کر سکتا ہے۔ اسلام نے چند بنیادی پابندیاں ضرور عائد کی ہیں مگر وہ ایسی ہیں جو خود حریت انسانی اور شخصی آزادی کو مہذب کرتی ہیں مقید نہیں کرتی ہیں۔ معاشی غلامی کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے خوب فرمایا ہے:۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

(ب) اخلاقی اور مادی ترقی میں توازن

اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان جو جسم وروح کا مجموعہ ہے کی ترقی ایسی متوازن ہو کہ روحانی اور مادی ترقیات ایک ساتھ چلتی رہیں۔ قرآن کریم میں فرمان خداوندی ہے ۔

وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا القصص ۷۷

ترجمہ : اور تم کو جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس میں آخرت کے گھر کی تلاش کرو اور اپنا دنیاوی حصہ بھی نہ بھولو۔

میں سمجھتا ہوں کہ دین ودنیا کے "سنگم" اور توازن کی یہ بہترین تعلیم ہے جو قرآن میں موجود ہے یعنی عین اس وقت جبکہ ایک انسان دنیاوی عمل میں مصروف ہو اس کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اس عمل سے حسن آخرت کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اسلام چاہتا ہے کہ انسان معاشی طور پر "جبر" (Force)، سے آزاد ہو تا کہ یہ دیکھا جا سکے کہ وہ اپنے اختیار سے کسب معاش' صرف مال یا جمع مال میں کہاں تک اخلاقی اقدار کو ملحوظ رکھتا ہے۔ اس آزادی سے انسان میں اخلاقی شعور (Moral Sense) پیدا ہوگا ظاہر ہے یہ بات نظام جبر میں نہیں پیدا ہو سکتی۔ جہاں کسب معاش میں حلال وحرام کی تمیز نہیں

صرف مال میں انسان کو کوئی اختیار نہیں۔ اگر انسان کی تنخواہ سے زبردستی رفاہ عامہ کے کاموں کیلئے کچھ رقم وضع (Deduct) کرلی جائے تو ہوسکتا ہے رفاہی ادارے چل جائیں۔ مگر جس کی تنخواہ سے رقم کاٹی گئی ہے ضروری نہیں کہ اس کو اس عمل سے کوئی اخلاقی و روحانی بالیدگی حاصل ہو۔ آپ ایک حد تک قانونی پابندیاں ضرور عائد کرسکتے ہیں مگر حیات انسانی کے کچھ گوشے آپ کو چھوڑنے ہوں گے جن میں فرد کو کلی اختیار حاصل ہو اس کی بہترین مثال اسلام کا نظام زکوٰۃ و صدقات ہے صدقات واجبہ میں انسان پر ایک قسم کا جبر ہے۔ مگر اس معمولی سے جبر کے علاوہ صدقات کے معاملہ میں اس کو خود مختار رکھا گیا ہے اور وہ پوری طرح آزاد ہے' اس لئے ان صدقات کا نام اسلام میں "تطوع" (Wilfully) ہے جس کے معنی اپنی خوشی یا مرضی سے کسی کام کے کرنے کے ہیں' اگر آپ اسلام کے پورے نظام عبادات و معاملات پر گہری نگاہ ڈالیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس نظام میں جبر کم ہے تطوع زائد ہے۔

(ج) طبقاتی منافرت سے اجتناب

اسلام دین توحید ہے' اسکا پورا نظام انسانیت کی وحدت کا معمار ہے۔ مختلف نظامہائے معیشت نے دنیا کو طبقاتی کشمکش میں مبتلا کر رکھا ہے' اسلام میں طبقات کا تصور موجود ہے' مگر طبقات کا یہ تصور' مال و دولت رنگ و نسل یا جغرافیائی حدود کی بنیادوں پر نہیں ہے کیونکہ یہ غیر فطری تقسیم انسانیت کی تذلیل و توہین اور فتنہ و فساد پر ہی منتج ہوتی رہی ہے' اس کی واضح مثالیں جاگیردارانہ نظام (Feudal System) اور مغربی سرمایہ دارانہ نظام Capitalism میں موجود ہیں' اسلام میں جو کچھ طبقات ہیں وہ انسانوں کی ذہنی' علمی' عملی' فطری صلاحیتوں کے اختلاف کی بنیادوں پر ہیں' قرآن کریم میں ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ( ) الزمر، ۹

ترجمہ: فرمادیجئے کہ آیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہوسکتے ہیں؟

نیز فرمایا۔

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِينَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِينَ دَرَجَةً ( ) النساء، ۹۶

ترجمہ: مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے درجے میں فضیلت بخشی ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ الحجرات : ۱۳

ترجمہ : بلاشبہ تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ معززوہ ہے جو تم میں سے زائد متقی ہے۔

اسلام کا نظام معیشت بھی اسی خوبی کا حامل ہے کہ اس سے طبقاتی منافرت کے بجائے محبت پیدا ہوتی ہے۔

(د) معاشی عدل

اسلام کے معاشی نظام کا ایک مقصد "عدل" ہے، جس طرح خرید و فروخت کے وقت ترازو کی تول درست رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اسی طرح یہ حکم پورے معاشی نظام میں لاگو ہوتا ہے، فرمان الٰہی ہے۔

وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ○

الرحمٰن، ۹

ترجمہ : اور تم وزن درست رکھو عدل کے ساتھ اور تولنے میں کمی نہ کرو۔

عدل سے مراد اسلامی نقطہ نگاہ سے انصاف یعنی آدھا آدھا کر دینا نہیں ہے، بلکہ ہر صاحب حق کو اس کا پورا پورا حصہ دے دینا ہے دراصل عدل کو انصاف کے معنی میں لے کر غلط فہمیوں کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں۔ اور لوگ یہ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ عدل مساوات کے مترادف ہے۔ حالانکہ مساوات نہ تو شرعی ہے اور نہ عملی ہے۔ جب کہ عدل تقاضائے عقل اور مقتضائے شرع ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اسلام میں مساوات تو نہیں مواساۃ ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ اسلامی معیشت میں (Equality) کا نہیں (Equity) کا اصول کارفرما ہے۔

شخصی ملکیت

اسلامی نقطہ نگاہ سے شخصی ملکیت درست ہے، بلکہ قابل احترام ہے۔ اس معاملہ میں ذرائع پیداوار Means of Production کمائی ہوئی آمدن Earned اور معاونت کے بغیر حاصل شدہ آمدن سب برابر ہیں، یہ نہیں کہ انسان صرف اشیاء صرف کا مالک بن سکتا ہے اور ذرائع پیداوار پر اس کی ملکیت درست نہ ہو، اسلام صرف اس بات پر زور دیتا ہے کہ یہ ملکیت جائز ذرائع سے ہے یا ناجائز طریقوں سے، پھر اسلام لوگوں کی شخصی ملکیتوں کو مفاد عامہ کے نام پر جبراً چھینتا نہیں ہے بلکہ اخلاقی اقدار کے ذریعہ ان کی رضامندی کے ساتھ انکی دولت معاشرہ کی فلاح و بہود پر صرف کراتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں "امداد باہمی" پر بہت زور دیا گیا ہے، اور قرآن و سنت کی تعلیمات انفاق فی "سبیل اللہ" کو عبادت قرار دیتی ہیں۔

امداد باہمی کے ادارے

"مسافر نوازی"، "مہمانداری"، "پڑوسی کے حقوق کا پاس"، "مواخات" وغیرہ ایسی تعلیمات ہیں کہ اگر آج بھی ہمارے معاشرہ میں رائج ہو جائیں تو بہت سے دکھوں کا مداوا ہو جائے۔ امداد باہمی کے سلسلہ میں اسلام کی چند تعلیمات یہ ہیں۔

ا۔ انفاق کا حکم :

جب کسی شخص کے پاس مال آتا ہے تو اس پر کچھ ذمہ داریاں بھی آتی ہیں، چونکہ یہ مال صرف اس کی اپنی محنت ہی کا صلہ نہیں ہے بلکہ عطاء الٰہی ہے، اس لئے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے مال میں صرف اپنا ہی حق نہ سمجھے بلکہ ان لوگوں کا بھی حق جانے جن کا حق اللہ نے مقرر کیا ہے۔ انفاق کی اصل حکمت یہ ہے کہ سرمایہ گردش میں آئے اور اجتماعی معیشت بحال ہو۔

انسان کے لئے اپنی ذات پر خرچ کرنا اپنی بیوی بچوں اور والدین پر خرچ کرنا لازم ہے، اسی طرح بعض صورتوں میں ذوی الارحام کی کفالت کرنا لازم ہے۔ قرآن کریم میں ہے :-

وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ (النساء ۳٦)

ترجمہ : اور اچھا سلوک کرو اپنے ماں باپ کے ساتھ اور اپنے رشتہ داروں اور نادار مسکینوں اور قرابت دار پڑوسیوں اور اجنبی ہمسایوں اور پاس بیٹھنے والے ساتھیوں اور مسافروں اور اپنے لونڈی غلاموں کے ساتھ۔

(۲) احسان

اسلام کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے دنیا کو عدل سے بھی زائد اونچے درجے کی صفت سے آگاہ کیا اور وہ "احسان" ہے۔ فرمان الٰہی ہے :۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل ۹۰)

ترجمہ : بلاشبہ اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

اور "احسان" سے مراد شرعی اصطلاح میں یہ ہے کہ حقدار کو اس کے حق سے کچھ زائد دے دینا' اور دوسرے تمام معاملات میں رورعایت کرنا' اگر آپ نے ایک مستری اور ایک مزدور کام پر متعین کئے دونوں نے آٹھ گھنٹے کام کیا۔ شام کو آپ نے مستری کو تو پچاس روپے دیئے اور مزدور کو بیس تو ہم کہیں گے کہ آپ نے عدل کیا۔ لیکن اگر آپ نے دونوں کو پچّیس پچّیس دیئے تو ہم کہیں گے کہ اگرچہ آپ نے مساوات کا سلوک کیا ہے' مگر سراسر ظلم و نا انصافی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ آپ نے یہ تو دیکھا کہ دونوں آٹھ گھنٹے مصروف عمل رہے مگر آپ نے یہ نہ سوچا کہ جب یہ مزدور اپنا وقت کھیل کود میں گزار رہا تھا تو یہ مستری اپنا وقت' اپنا ذھن اور اپنی صلاحیتیں فن سیکھنے پر خرچ کر رہا تھا کیا اجرت کی ادائیگی کے وقت آپ اس کی اس محنت کا صلہ بھول جائینگے جس کے ثمرات اب آپ کے سامنے ظاہر ہو رہے ہیں۔ کیا اس طرح آپ پوری قوم کو یہ سبق نہ دیں گے کہ علم و ہنر سیکھنے کا کوئی فائدہ نہیں یہ تو اوقات کا زیاں ہے!

قرض حسن

نفسانفسی کے اس دور میں جبکہ سودی نظام قوم کی رگ وپے میں سرایت کر گیا ہو یہ سوچنا بھی مشکل ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کی ضرورت پوری کرنے کو بلاسود قرض دے سکتا ہے۔ انسانیت کی بھلائی کے دعویدار مجبور انسان کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کو کس دلیل سے قبول کرتے ہوں گے؟ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے مجبور و پریشان حال انسانوں کی ضرورت پوری کرنے کا حکم دیا ہے اور ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل پر زور دیا ہے جس میں لوگ ایک دوسرے کی لوٹ کھسوٹ کے بجائے ایک دوسرے کے کام آئیں، قرض حسن اس کی ایک شکل ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً البقرہ: ۲۴۵

ترجمہ: کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے اور اللہ اس کو اپنی مرضی سے کئی گنا بڑھا کر ادا کر دے۔

یعنی جو لوگ اپنے بھائیوں کی مجبوری رفع کرنے کے لئے انہیں قرض دیتے ہیں اور اس کا دنیاوی کوئی نفع نہیں لیتے ہیں نہ مانگنے میں سختی و درشتی سے کام لیتے ہیں ایسے لوگ گویا اللہ کو قرض دے رہے ہیں، اب ان کو آخرت کا سود ملے گا یعنی اللہ تعالیٰ ان کو کئی گنا بڑھا کر عطا فرمائے گا، مگر دنیا میں قرض دینے والے کو مقروض سے اس قرض پر کسی قسم کا نفع لینے کی اجازت نہیں۔ یہاں تک کہ مقروض اگر دعوت کرے تو اس کی دعوت قبول کرنے میں بھی احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے:۔

"اللہ فی عون المرء ما کان فی عون اخیہ" (۱)

ترجمہ: جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے اللہ اس کی مدد فرماتا رہتا ہے۔

جس طرح اصحاب ثروت حضرات کو اپنے بھائیوں کی مدد کا حکم ہے اسی طرح قرض لینے والے کے لئے بھی احکام ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ بلا ضرورت قرض نہ لیں۔ اور لیں تو بر وقت ادا کریں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

---

(۱) مسند احمد جلد ۲ ص ۲۷۴ المکتب الاسلامی، بیروت

«الدین یقضی،، (۱)

ترجمہ: قرض ادا کرنا فرض ہے۔

مطل الغنی ظلم،، (۲)

ترجمہ: مالدار آدمی کی ٹال مٹول ظلم ہے۔

یعنی جب مقروض کو ادائیگی پر قدرت ہو تو اسے خود قرض ادا کرنا چاہئے ٹال مٹول سے کام نہ لے

اگر مسلمان اپنے خاندان، محلوں اور شہروں میں ایسی انجمنیں بنالیں جو پوری تفتیش و تحقیق کے بعد ضرورت مند لوگوں کو قرض دیا کریں تو بہت سے مصیبت زدہ لوگوں کی مصیبتیں رفع ہو سکتی ہیں۔ گارنٹی کے طور پر مقروض لوگ اپنی قیمتی اشیاء رہن رکھ سکتے ہیں۔ خدا ترس لوگوں کے لئے یہ بڑی بات نہیں کہ وہ اپنی دولت کا ایک حصہ اسی کام کے لئے وقف کر دیں کہ لوگوں کو قرض دیا جائے اور ان کی ضروریات پوری کی جائیں۔ اور وہ قرض پر سوائے اجر آخرت کے اور کسی نفع کی امید نہ رکھیں۔

عاریت

کسی شخص کا اپنی ملکیت کے منافع کو بلا کسی معاوضہ کے دوسرے شخص کو دے دینا عاریت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بڑی مذمت کی ہے جو عام استعمال کی چیزیں بطور عاریت دینے سے منع کرتے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ماعون - ۷

ترجمہ: اور ان کیلئے بھی ہلاکت ہے جو برتنے کی چیزیں بطور عاریت دینے سے منع کرتے ہیں۔

اس سے مراد عام استعمال کے برتن وغیرہ ہیں جو محلوں میں لوگ ایک دوسرے کو استعمال کے لئے دیتے ہیں۔

اگر اصحاب مال، کچھ چیزیں بطور عاریت دے دیا کریں تو غریب لوگوں کی بہت سی ضرورتیں رفع ہو جائیں۔ احادیث شریفہ سے ثابت ہے کہ مسلمان پھلوں والے درخت، دودھ والے جانور، مکان،

(۱) ابو داؤد، السنن، ج ۲، کتاب البیوع : ۸۸

(۲) ترمذی الجامع، ج ۲، کتاب استقراض : ۱۲

سواری کے جانور اور دوسری اشیاء اپنے مسلمان بھائیوں کو بطور عاریت دیا کرتے تھے۔ جو لوگ کوئی چیز عاریت پر لیں انہیں چاہئے کہ وہ اس کو احتیاط سے برتیں اور ضرورت پوری ہو جانے پر اصل مالک کو واپس کر دیں۔ جب مہاجرین مدینہ طیبہ آئے تو انصار نے ان کو اپنے مکان اور دوسری اشیاء میں شریک کیا۔ لیکن وہ ان پر قابض ہو کر نہیں بیٹھ گئے بلکہ اپنی محنت و مشقت کے ساتھ جب اپنے حالات درست کر لئے تو اپنے بھائیوں کی چیزیں واپس کر دیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ:

العارية مؤداة (۱)

ترجمہ: عاریت کی واپسی لازم ہے۔

حکومت اسلامیہ کے معاشی وسائل

اسلام کے معاشی نظام پر بحث کرتے ہوئے جو چیز سب سے اہم معاملہ ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ نظام حکومت کو چلانے کے لئے معاشی وسائل کہاں سے مہیا ہوں گے۔ ذیل میں اجمالی طور پر ان وسائل کا ذکر کرتے ہیں، جن سے کاروبار حکومت چلایا جائے گا جن کی تفصیل آئندہ صفحات میں دی گئی ہے:

(۱) زکوٰۃ
(۲) عشر
(۳) خراج
(۴) جزیہ
(۵) کفارات
(۶) صدقۂ فطر
(۷) اضحیہ
(۸) ہدی
(۹) غنائم
(۱۰) فئ

(۱) ابوداؤد، السنن، ج ۲، کتاب البیوع : ۸۸، الدارمی : السنن، کتاب البیوع ، ۵۶

(۱۱) خمس

(۱۲) رکاز

(۱۳) ضرائب

(۱۴) کراءالارض

(۱۵) محصول (عشور)

(۱۶) وقف

(۱۷) لقطہ

(۱۸) لاوارث اموال

(۱۹) معدن

(۲۰) کسٹم ڈیوٹی

حکومت اسلامی کے معاشی وسائل (محاصل عامہ) کی تفصیل

حکومت کو چلانے کے لئے ذرائع آمدن کا ہونا لازمی ہے' قرآن وسنت میں اسلامی حکومت کے معاشی وسائل کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

<u>حکومت کے ذرائع آمدن</u>

(۱) انفاق: اس میں بعض مدات وہ ہیں جن پر خرچ کرنا لازم ہے۔ ان میں سے اکثر مدات ایسی ہیں جو حکومت کے ذریعہ عوام کی فلاح وبہبود اور نظام حکومت چلانے کے لئے خرچ کی جاتی ہیں' یہ حکومت کی آمدن کے ذرائع ہیں۔

(۲) زکوٰۃ: لازمی انفاق کی ایک صورت زکوٰۃ ہے' نماز کے بعد اسلام کا دوسرا رکن "زکوٰۃ" ہے تاریخ انبیاء کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی طرح زکوٰۃ بھی ہر نبی کی تعلیم کا جزو لازم رہی ہے' قرآن کریم میں بھی کئی انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں میں زکوٰۃ کی تعلیم موجود ہے۔ قرآن کریم میں بارہا زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ ملا کر ذکر کیا گیا ہے۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ( ) البقرہ: ۴۳

نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو

سورۃ توبہ میں مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ اس وقت تک جنگ کرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ توبہ کر کے نماز قائم نہ کرلیں، اور زکوٰۃ ادا کردیں فرمان الٰہی ہے

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ ؕ التوبہ: ۱۱

پھر (اگر وہ شرک و کفر سے) توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

گویا صرف ایمان لانا اور نماز پڑھنا ہی کافی نہیں بلکہ اسلام کے مالی نظام پر عمل پیرا ہونا بھی ضروری ہے۔ اس سے زکوٰۃ کا لازمی ہونا مفہوم ہوتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ التوبہ: ۱۰۳

ترجمہ: ان کے مال میں سے زکوٰۃ وصول کرلو کہ اس سے تم ان کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو کہ تمہاری دعا ان کے لئے موجب تسکین ہے اور خدا سننے والا جاننے والا ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

( ) التوبہ: ۶۰

ترجمہ: صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات) تو مفلسوں اور کارکنان صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرض داروں (کے قرض ادا کرنے) میں اور خدا کی راہ میں اور مسافروں کی مدد میں (بھی یہ مال خرچ کرنا چاہئے یہ حقوق) خدا کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے ہیں اور خدا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعۡضَکُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ فِی الرِّزۡقِ ۚ فَمَا الَّذِیۡنَ فُضِّلُوۡا بِرَآدِّیۡ رِزۡقِہِمۡ عَلٰی مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ فَہُمۡ فِیۡہِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعۡمَۃِ اللّٰہِ یَجۡحَدُوۡنَ ○ النحل: ۷۱

ترجمہ: اور خدا نے رزق (دولت) میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے تو جن لوگوں کو فضیلت دی ہے وہ اپنا رزق اپنے مملوکوں کو تو دے ڈالنے والے ہیں نہیں کہ سب اس میں برابر ہو جائیں تو کیا یہ نعمت الٰہی کے منکر ہیں؟

والذین هم علی صلاتهم یحافظون (۲)

ترجمہ: اور جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ مومنون: ۹

وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ ○ البقرہ: ۴۳

ترجمہ: اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (خدا کے آگے) جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو۔

الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ کٰفِرُوۡنَ ○ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَہُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ○ حم سجدہ: ۷، ۸

ترجمہ: جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے بھی قائل نہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے (ایسا) ثواب ہے جو ختم ہی نہ ہو گا۔

وَمَاۤ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ رِّبًا لِّیَرۡبُوَا۠ فِیۡۤ اَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰہِ ۚ وَمَاۤ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ زَکٰوۃٍ تُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُضۡعِفُوۡنَ ○ ( ) الروم: ۳۹

ترجمہ: اور جو تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو خدا کے نزدیک اس میں افزائش نہیں ہوتی اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو اور اس سے خدا کی رضامندی طلب کرتے ہو تو (وہ موجب برکت ہے اور) ایسے ہی لوگ (اپنے مال کو) دوچند سہ چند کرنے والے ہیں۔

(۳) عشر

زمین کی پیداوار پر جو حق اللہ کا ہے عشر کہلاتا ہے :۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ ( ) البقرہ : ۲۶۷

ترجمہ: اے ایمان والو! جو پاک مال تم نے کمائے ہیں اور جو پیداوار ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہے اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرو۔

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ

( ) الانعام : ۱۴۱

ترجمہ: اس کی پیداوار جب نکلے تو اس میں سے کھاؤ اور فصل کٹنے کے دن اللہ کا حق نکال دو۔

یہ دونوں آیتیں زمین کی پیداوار سے متعلق ہیں، احناف کے نزدیک خودرو اشیاء مثلاً کھڑی گھاس اور پانی کے علاوہ جتنی اشیاء از قسم غلہ پھل، ترکاری، ہیں ان سب سے اللہ کا حق نکالنا لازم ہے۔ زمین کی پیداوار پر اللہ کا جو حق ہے، حدیث شریف میں اس کی تفصیل اس طرح ہے:

۱- عن عبدالله عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال فیما سقت السماء والعیون لوکان عشر بالعشر وما سقی بالنضح نصف العشر۔ (۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس زمین کی آبپاشی بارش، چشموں یا ندیوں سے ہو اور وہ زمین بارانی ہو تو ایسی پیداوار کا دسواں حصہ لیا جائے گا اور جس کو پانی کھینچ کر آبپاشی کی گئی ہو اس کی پیداوار سے بیسواں حصہ لیا جائے گا۔ یعنی اگر پانی کے حصول میں محنت کی گئی ہو تو نصف حصہ رہ جائے گا۔

---

(۱) صحیح بخاری : کتاب الزکاۃ : ۵۵

عشری زمینیں

اگر کوئی قوم مسلمان ہو جائے تو اس کی زمین ' عرب کی زمین ' مجاہدین اور غا مین کے حصہ میں آئی ہوئی زمین ' جو کسی مسلمان نے آباد کی ہو ' کسی لاوارث ذمی کی موت پر مسلمان کے قبضہ میں آئی ہوئی زمین عشری کہلاتی ہے۔ مگر اس پر بھی عشر صرف اسی صورت میں ہو گا جب آبپاشی بارش ' چشموں ' یا ندیوں کے پانی سے ہوئی ہو اور اس میں انسانی محنت کا دخل نہ ہو۔ لیکن اگر پانی خریدنا پڑے تو میں سمجھتا ہوں پھر عشر لاگو نہیں کیا جا سکتا ہے (بلکہ ایسی پیداوار پر نصف عشر لاگو ہو گا) ۔ اب یہ بحث الگ ہے کہ آیا کسی فرد یا حکومت کو دریاوں کے پانی فروخت کرنے کا حق بھی ہے یا نہیں؟ یہ درست ہے کہ کھیت تک پانی پہنچنے میں حکومت کا کافی خرچ ہوتا ہے اور اس لئے حکومت خدمت کا معاوضہ لے سکتی ہے ' مگر اس صورت میں بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا ایسی زمینوں کی پیداوار پر عشر ہو گا ' جن کا آبیانہ ادا کر کے سیراب کیا گیا ہو؟ تو قیاس چاہتا ہے کہ حکومت جن زمینوں سے آبیانہ وصول کرتی ہو ان سے نصف عشر (بیسواں حصہ) لے۔

۵۔ خراج

جن ممالک پر قبضہ ہو گا اور اسلامی حاکم نے وہ زمینیں کفار ہی کے قبضے میں باقی رہنے دیں یا جو زمینیں صلح سے فتح ہوئیں ' خراجی کہلاتی ہیں۔ اور حاکم اسلام کی طرف سے جو ٹیکس ان زمینوں پر عائد ہوتا ہے "خراج" کہلاتا ہے۔ (۱)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں دراصل "خراج فئ" کی ہی ایک صورت ہے۔
اس طرح خراج پر قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال درست ہو گا۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۚ

الحشر: ۷

(۱) کتاب الخراج، لابی یوسف : ص: ۷۵-۲۵

ترجمہ: جو مال لوٹا دیا اللہ نے اپنے رسولؐ پر بستیوں والوں (کفار) سے تو وہ اللہ کیلئے ہے اور رسولؐ کے لئے، اور قرابت داروں کے لئے، یتیموں کے لئے، محتاجوں اور مسافروں کے لئے، تا کہ وہ تم میں سے دولت مندوں کے درمیان ہی گھومتا نہ رہ جائے۔

اس آیت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام میں ارتکاز دولت کو کتنا معیوب سمجھا گیا ہے اور اس کے گردش میں لانے کو کتنا ضروری قرار دیا گیا، دولتہ بین الاغنیاء صرف چند مالدار لوگوں کے درمیان مال کی گردش کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، اگر آپ غور فرمائیں تو معلوم ہو گا کہ ہمارے یہاں غیر فطری اور نامناسب معاشی اونچ نیچ کا اصل سبب یہی دو لۃ بین الاغنیاء ہے۔

۶۔ جزیہ

اہل کتاب اور مشرکین عجم اگر مغلوب ہو کر اسلامی اقتدار کو تسلیم کر لیں۔ تو اسلامی حکومت ان کی جان و مال عزت و آبرو کی محافظ ہو جاتی ہے اور اس سلسلہ میں ان سے کچھ ٹیکس لیتی ہے۔ اس کو جزیہ کہتے ہیں۔ سورۃ توبہ میں جزیہ لینے کا حکم موجود ہے[1]

۷۔ صدقات نافلہ

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ "کفالت عامہ" کے لئے اسلام کا نظام "زکوٰۃ" ناکافی ہے مگر اس حقیقت کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ کہ اسلام نے زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ مالی واجبات رکھے ہیں، اگرچہ ان میں سے اکثر اختیاری ہیں، مگر بعض لازمی ہیں، یا بعض حالات میں لازمی بن جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔

وَفِيٓ أَمۡوَٰلِهِمۡ حَقّٞ لِّلسَّآئِلِ وَٱلۡمَحۡرُومِ ۝

( ) الزاریات: ۱۹

ترجمہ: اور ان کے مالوں میں مانگنے والوں اور تنگ دستوں کا حق ہے۔

حق اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی کے ذمہ واجب ہو، اور کفالت عامہ، من حیث القوم مسلمانوں پر واجب ہے۔ اس کی تائید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ:۔

(۱) ضیاء الدین الریس: الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ: ص ۱۱۱

۱۔ «ان فی المال حقا سوی الزکاۃ،، (۱)

ترجمہ: یقیناً مال پر زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔

اس جملہ کا طرز بتارہا ہے کہ جس طرح زکوٰۃ لازمی مد ہے اسی طرح کچھ اور مدات بھی لازمی ہیں۔

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ

البقرہ: ١٩٥

ترجمہ: اور تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

گویا انفاق فی سبیل اللہ پوری قوم کی زندگی کا باعث ہے' جب کہ دولت کو جمع کر کے رکھنا قومی خودکشی کے مترادف ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ

البقرہ: ٢٦٧

ترجمہ: ایمان والو اپنی پاک کمائی میں سے خرچ کرو۔

اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ "انفاق" میں یہ شرط بھی ہے کہ وہ جائز کمائی میں سے کیا گیا ہو' سود' رشوت' ناجائز روزی کے مال اور دوسری ناجائز کمائیوں سے صدقہ اللہ کے یہاں قبول نہ ہو گا۔

کفارات

کفارہ سے مراد وہ مالی تاوان ہے جو بعض جرائم کی سزا کے طور پر شرعاً عائد ہوتا ہے' مثلاً کوئی شخص قصداً فرض روزہ توڑدے تو اس پر کفارہ ہے' یعنی یا تو ایک غلام آزاد کرے اگر ایسا نہ کر سکے تو دو ماہ کے پے در پے روزے رکھے' یہ بھی نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

مناسک حج میں بعض غلطیاں ایسی ہیں جن پر کفارہ ہے' بیوی سے ظہار کی صورت میں کفارہ ہے' قسم توڑنے کا کفارہ ہے' قتل خطاء میں کفارہ ہے۔ یہ تمام وہ مالی جرمانے ہیں جن کی ادائیگی لازم ہے اور یہ معاشرہ کے تہی دست افراد کی اعانت و مدد کے لئے ہیں۔ (۲)

---

(۱) ابن ماجہ السنن، ج ۲، کتاب الزکاۃ، ٦٠

(۲) فتاوی عالمگیری، : جلد ۱، ص ٢١٥

۹۔ صدقۃ الفطر

ہر صاحب نصاب مسلمان، آزاد عاقل و بالغ پر اپنی طرف سے اور اپنے بچوں کی طرف سے اور اپنے خدام مرد و عورت کی طرف سے صدقۂ فطر نکالنا واجب ہے۔ یہ رمضان المبارک کے اختتام پر واجب ہے، اور افضل یہ ہے کہ نماز عید سے پہلے ادا کر دیا جائے اس کی مقدار فی کس نصف صاع (دو کلو) گیہوں یا اس کا آٹا ہے یا اس کی قیمت ادا کر دی جائے۔ (۱)

اضحیہ

یعنی قربانی، جو دنیا بھر کے صاحب نصاب مسلمانوں پر اپنی شرائط کے ساتھ عید قربان کے دن واجب ہے۔ اس کا گوشت اگر منظّم طریقہ پر تقسیم کیا جائے تو بہت سے غریب لوگوں کی مدد ہو جائے، اور کھالیں رفاہ عامہ کے متعدد اداروں کی مدد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہیں۔ بلکہ بالفعل استعمال ہو رہی ہیں۔ اس سے لوگوں میں جانوروں کی پرورش کی ترغیب ہوتی ہے اور بہت سے غریب گھرانوں کا مستقل یہ پیشہ ہے کہ وہ قربانی کے لئے جانور پالتے ہیں اور ان کو بیچ کر سال بھر کی اپنی روزی کماتے ہیں۔ اگر حکومت کو گوشت اور چرم قربانی دی جائے تو حکومت ان اشیاء کو ان کے متعینہ مصارف پر صرف کر سکتی ہے۔

ہدی

اس سے مراد وہ جانور ہیں جو حجاج کرام ایام حج میں قربانی کے لئے کافی تعداد میں منیٰ کی سرزمین پر لاتے ہیں اور قربان کرتے ہیں، اگر ان کے گوشت کو محفوظ کر لیا جائے تو غریبوں کی خوراک کا انتظام ہو سکتا ہے اور ان جانوروں کی کھال اور پشم بھی استعمال میں لائی جاسکتی ہے۔

غنائم

غنیمت وہ مال ہے جو حالت جنگ میں مخالف فوج سے زبردستی چھینا جائے اور مال کا پانچواں حصہ حکومت کا ہے۔ دور جدید میں دشمن سے حاصل ہونے والے آلات حرب، اگر افراد کو نہ دیئے جائیں بلکہ

(۱) عالمگیری: جلد ۱ ص ۲۱۶

حکومت کے پاس محفوظ رہیں اور فوج ان کو استعمال کرے تو شرعاً اس کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ ایک تو ضرورت شرعیہ اور دوسرے دفع ضرر، تیسرے اھون البلیتین کا قاعدہ اس کے جواز کی دلیل ہے۔

۱۳۔ فیئ

اگر غیر مسلم مسلمانوں سے جنگ کئے بغیر ہتھیار ڈال دیں تو ان کے اموال بجائے مال غنیمت کے فیئ کہلاتے ہیں۔ اس کا حکم غنیمت سے مختلف ہے، کیونکہ یہ اموال بیت المال میں داخل ہوتے ہیں، مجاہدین میں تقسیم نہیں ہوتے کیونکہ انہوں نے ان کے لئے محنت نہیں کی۔ قرآن عزیز میں ہے:۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ الحشر ٦

ترجمہ: جو مال اللہ نے ان سے اپنے رسولؐ کو دلوایا تو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ، لیکن اللہ جس پر چاہتا ہے اپنے رسولوں کو غالب کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

مگر افسوس کہ اب مسلمانوں سے جہاد کی اسپرٹ ختم ہو گئی تو مال غنیمت یا فیئ کی مدات ختم ہو گئیں، اب تو پوری ملت اسلامیہ غیر مسلمانوں کیلئے لقمہ تر بنی ہوئی ہے۔

۱۴۔ خمس

مال غنیمت کو تقسیم کرنے سے پہلے پانچواں حصہ بیت المال کے لئے دینا ضروری ہے، اس کو "خمس" کہتے ہیں۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ الانفال: ۴۱

ترجمہ: اچھی طرح سمجھ لو کہ جو کچھ مال غنیمت تم کو ملے اس میں سے پانچواں حصہ اللہ، رسولؐ، قرابت داروں، یتیموں اور محتاجوں کیلئے ہے۔

۱۵۔ رکاز

کانوں سے جو معدنیات برآمد ہوتی ہیں ان کو "رکاز" کہا جاتا ہے۔ (۱)۔ اس میں بھی خمس ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

«وفی الرکاز الخمس،، (۲)

ترجمہ: رکاز میں خمس ہے۔

۱۶۔ ضرائب

جنگ یا قحط سالی کے موقعہ پر یا عوام کی بے روزگاری' بدحالی کو ختم کرنے کیلئے جو ٹیکس لگائے جاتے ہیں ان کو "ضرائب" کہتے ہیں۔ ابن حزم نے "المحلی" میں لکھا ہے کہ اگر بیت المال میں جمع شدہ رقوم عوام کی معاشی ضروریات کو پورا نہ کر سکیں تو خلیفہ "[illegible] ثروت" پر مزید ٹیکس لگا سکتا ہے۔ اور اصحاب ثروت کو ان ٹیکسوں کی ادائیگی پر مجبور کر سکتا ہے۔ (۳)

«ویجبرھم السلطان علی ذالک،، (۴)

ترجمہ: اور بادشاہ ان کو اس (ٹیکس) پر مجبور کرے گا۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ؕ الروم ۳۸

وہ کہتے ہیں "وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ بنیٓ اسرآءیل ۲۶" اس کی دلیل ہے۔ اس سلسلہ میں اور آثار کے علاوہ یہ اثر ابن عمر ہے۔

«عن ابن عمر انه قال فی مالک حق سوی الزکاة ،، (۵)

ترجمہ: ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ تیرے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔

۱۷۔ کراء الارض

امام یا خلیفہ حکومت کی زمینوں کو کاشت کیلئے لوگوں کو دیتا ہے اور ان زمینوں سے کرایہ وصول

---

(۱) ابو یوسف : کتاب الخراج، ص ۲۳

(۲) صحیح بخاری، ج ۲، کتاب المزارعة، باب المساقاة

(۳) ابن حزم، المحلّی جلد ۶، ص ۱۵۶، ابن حزم : المحلّی، ج ۶، قاھرة، ص ۱۵۶

(۴) حوالہ بالا

(۵) حوالہ بالا ، ص ۱۵۸

کرتا ہے جو بیت المال میں جمع ہوتا ہے' ان زمینوں سے نہ تو عشر وصول کیا جاتا ہے اور نہ ہی خراج' یہ زمینیں یا تو لاوارث ہوتی ہیں یا مفتوحہ علاقوں میں ہوتی ہیں' ان کو ارض المملکت یا ارض الحوزہ کہا جاتا ہے۔ (۱)

۱۸۔ محصول (عشور)

ایرانی اور رومی مسلمان تاجروں سے جو ان کی سرحد میں داخل ہوتے تھے محصول لیا کرتے تھے۔ لیکن جب غیر مسلم اسلامی ممالک میں آتے تو ہر قسم کے ٹیکس سے بری تھے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ تم بھی اموال تجارت پر اسی قسم کا ٹیکس لیا کرو تاہم یہ رعایت رکھی گئی کہ ہر تاجر سے سال میں ایک ہی مرتبہ ٹیکس لیا جاتا تھا پھر خواہ کتنی ہی مرتبہ آمدورفت کیوں نہ ہو ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا اس میں مسلم غیر مسلم ذمی وغیرہ کی کوئی تمیز نہ تھی۔ تاہم ٹیکس کی مقدار میں فرق رکھا گیا تھا' اور وہ اس طرح کہ مسلمان کے مال سے چالیسواں ذمی سے بیسواں اور حربی سے دسواں حصہ لیا جاتا تھا۔ اس محصول کا اصطلاحی نام ''عشور'' ہے۔

وقف

جو اشیاء منقولہ یا غیر منقولہ ذاتی ملکیت سے نکال کر ''فی سبیل اللہ'' دے دی جائیں تو وہ وقف کہلاتی ہیں' اگر یہ اشیاء بیت المال کو دی جائیں تو بیت المال کا حق ہے۔

لقطہ

یعنی وہ مال جس کے مالک کا پتہ نہ چل سکے' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لقطہ حلال نہیں لہٰذا جو کوئی کسی چیز کو اٹھا لے اسے چاہیئے کہ ایک سال تک اس کی تشہیر کرے اگر اس کا مالک آجائے تو یہ مال اس کے حوالہ کر دے اور اگر نہ آئے تو اس کو صدقہ کر دے۔ (۲)

---

(۱) ابن عابدین : ردالمحتار، ج ۲، ص ۳۵۳

(۲) الکاسانی، ابوبکر : بدائع الصنائع، ج ۹، ص ۲۰۲

اگر چیز کا اٹھانے والا غریب ہے تو خود، استعمال کر سکتا ہے اور اگر مالدار ہے تو اس کے بارے میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں اگر مال کثیر ہو تو بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔ (۱)

ڈاک خانوں یا بینکوں میں بہت سی رقوم ایسی ہوتی ہیں جن کے مالک لاپتہ ہو گئے ہیں۔ اس طرح اور املاک کا معاملہ بھی ہے جن کے مالک لاپتہ ہیں اور وارث بھی نہیں، ایسے اموال کے بارے میں ابن تیمیہ کی رائے یہ ہے کہ انہیں بیت المال میں داخل کر لیا جائے۔ (۲)

۲۲۔ جانوروں کی زکوٰۃ

جو جانور نسل کشی کے لئے ہوں، اور ان کی پرورش زیادہ تر قدرتی چراگاہوں پر ہوتی ہے، یعنی چارہ خرید کر ان کی پرورش نہ کی گئی ہو ان پر بھی زکوٰۃ ہے، ان پر زکوٰۃ کی تفصیلات کتب فقہ میں ہیں۔

مذکورہ بالا معروضات اسلام کے اقتصادی نظام میں سے چند اصولی باتیں ہیں جو حضور ختم المرسلین رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا مگر یہ ہر گز نہ سمجھنا چاہئے کہ اسلام کا کل معاشی نظام یہی ہے یہ تو چند اصولی باتیں ہیں، یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہماری درسگاہوں میں اسلامی نظام معیشت کو نہیں پڑھایا گیا بلکہ ایسے نظام ہائے معیشت پڑھائے جاتے رہے جو دین و اخلاق کے امتزاج سے عاری تھے، لہٰذا پوری قوم میں اس فکر کا پختہ ہونا فطری ہے کہ اقتصادیات کا دین سے کوئی ربط نہیں، یہ مسلمانوں کا فکری فقر و افلاس ہے کہ اقتصادی نظام کی اصطلاحات میں بھی دوسروں کے محتاج ہیں، کاش ایسا ہو سکے کہ مسلم معاشیین اسلامی معاشیات کو اس طرح مرتب کر لیں کہ اجنبی نظاموں اور ان کی اصطلاحوں سے ہمیں نجات مل جائے۔

---

(۱) ابن رشد : بدایة المجتهد، جلد ۲، ص ۳۰۲

(۲) ابن تیمیه : السیاسة الشرعیة فی اموال الراعی والرعیة، ص ۳۰، ۳۱

اسلام کا عادلانہ نظام ٹیکس

اسلام کا نظام مالیات معتدل اور عادلانہ نظام ٹیکس پیش کرتا ہے۔ اس نے اپنی آمد پر جن علاقوں کو فتح کیا ان میں سے نہ صرف مروجہ ظالمانہ ٹیکس کو یک جنبش قلم سے محو کر دیا بلکہ ایک عادلانہ نظام ٹیکس مروج کیا۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل نظائر قابل توجہ ہیں :۔

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام سے واپس آرہے تھے راہ میں دیکھا کہ کچھ آدمی کھڑے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ جزیہ ادا نہ کرنے کی بناء پر انہیں سزا دی جا رہی ہے۔ پتہ چلا کہ وہ لوگ ادائیگی کے قابل نہیں تھے۔ آپ نے اپنے عاملوں کو سختی سے اس ظالمانہ روش پر ڈانٹا اور فرمایا۔

«دعوهم لاتكلفوهم , مالايطيقون، فإني سمعت رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يقول لاتعذبوا الناس فان الذين يعذبون الناس فى الدنيا يعذبهم الله يوم القيمٰة وامر بهم فخلى سبيلهم، الخ (۱)

ترجمہ ان کو چھوڑ دو اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دو' اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ لوگوں کو عذاب میں نہ ڈالو اس لئے کہ جو لوگ دنیا میں انسانوں کو عذاب میں مبتلا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو عذاب میں مبتلا کرے گا پھر حکم دیکر ان کو عذاب سے نجات دلائی۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ وصیت مشہور ہے :۔

«اوصى الخليفة من بعدى باهل الذمة خيرا ان يوفى لهم بعهدهم وان يقاتل من ورائهم وان لايكلفوا فوق طاقتهم الخ ۔ (۲)

ترجمہ: میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ ذمیوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے' اور ان کے عہد کو پورا کرے' ان کی حفاظت میں ان کے دشمنوں سے جنگ

(۱) ابو یوسف : کتاب الخراج، صفحہ ۱۲۵- ابو عبید : کتاب الاموال، صفحہ ۴۳
(۲) ابو یوسف : کتاب الخراج ، صفحہ ۱۲۵- ابو عبید : کتاب الاموال، صفحہ ۴۴

کرے اور (ادائے خراج) میں ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالے۔

«عن عبدالرحمٰن بن جبیر بن نصیر اخذنا عن ابیه ان عمر بن الخطاب اُتیٰ بمال کثیر قال ابو عبید احسبه قال من الجزیة فقال انیٰ لا ظنکم قد اھلکھم الناس، قالوا لا واللہ ما اخذنا الاعفواً صفواً، قال بلا سوط ولانوط قالوا نعم، قال الحمد الله الذی لم یجعل ذالک علی یدی ولافی سلطانی (۱)

ترجمہ: ''حضرت عبدالرحمٰن جبیر بن نصیر راوی ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس جزیہ کا بہت سا مال پیش کیا گیا' حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے یہ خیال آرہا ہے لوگوں کو برباد کر کے یہ جمع کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بخدا ایسا نہیں ہوا ہم نے ان کی حاجات سے فاضل مال میں سے راضی خوشی ان سے وصول کیا ہے۔ دریافت فرمایا بغیر مار پیٹ اور باندھ کر لٹکانے جیسی تکالیف کے؟ سب نے عرض کیا بیشک بغیر ایذا دیئے' تب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اس خدا کا بے غایت شکر ہے جس نے میرے ہاتھ سے ایسے کام نہیں کروائے اور نہ میرے زمانہ خلافت میں اس قسم کے مظالم ہو سکے۔''

ایک مرتبہ سعید بن عامر والی شام نے خراج بھیجنے میں تاخیر کی جب وہ دربار خلافت میں آئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سخت باز پرس کی سعید بن عامر نے جواب دیا کہ آپ نے دو حکم دیئے تھے' میں ان دونوں پر عامل ہوں ایک یہ کہ کاشتکاروں پر فی جریب چار دینار سے زیادہ لگان نہ لگائیں اور دوسرے یہ کہ اداء لگان میں نرمی سے کام لوں سو میں اسوقت تک لگان نہیں لگاتا جب تک ان کی خوب آمدنی نہیں ہو جاتی' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سن کر فرمایا یہی چاہئے اب میں تجھ کو کبھی معزول نہیں کرونگا۔

قال أمرتنا ان لا نزید الفلاحین علی اربعة دنانیر فلسنا نزیدھم علی ذالک ولکن نؤخرھم إلی غداتھم فقال عمر لا اعزلتک ماحییتُ(۲)

ترجمہ سعیدؓ نے کہا آپ نے ہم کو حکم دے رکھا ہے کہ کاشتکاروں پر چار دینار سے زیادہ لگان نہ لگائیں' سو ہم اس کے پوری طرح پابند ہیں' اور ہم ان سے وصولی میں ان کی آمدنی

---

(۱) ابو عبید : کتاب الاموال، صفحہ ۴۴

(۲) ابو عبید : کتاب الاموال، صفحہ ۴۴

تک تاخیر کرتے ہیں' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تجھ کو زندگی بھر معزول نہیں کرونگا۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے والی کوفہ کو مفصل نامہ تحریر فرمایا تھا جس میں درج تھا:۔

"ولا العامر الاوظيفة » فى رفيق و تسكين لاهل الارض الخ"

ترجمہ اور آباد زمینوں پر مقررہ خراج سے ہرگز زیادہ نہ لو۔ اور جو بھی وصول کرو اہل زمین سے نرمی اور دل جوئی کے ساتھ وصول کرو۔

اور امام ابو یوسف ان ہی روایات کے پیش نظر عباسی خلیفہ ہارون الرشید کو وصیت کرتے ہوئے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

"ولا يضربن رجل فى دراهم خراج ولا يقال على رجله فانه بلغنى انهم يقيمون اهل الخراج فى الشمس و يضربونهم الضرب الشديد ويعلقون عليهم الجرار ويقيدونهم بما يمنعهم من الصلواة وهذا عظيم عند الله شنيع فى الاسلام الخ،، (۱)

اے ہارون! کسی شخص کو بھی لگان (خراج) کے سلسلہ میں زدو کوب نہ کیا جائے اور نہ ایک پیر پر کھڑا رکھا جائے۔ یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ بعض وصول کنندہ اس قسم کی ذلیل حرکتیں کرتے ہیں کہ اہل خراج کو دھوپ میں کھڑا کرتے ہیں۔ اور ان کو سخت مار پیٹ کرتے ہیں۔ اور ان کی گردنوں میں گھڑے لٹکاتے ہیں۔ اور ان کو قید کرتے ہیں کہ وہ نماز بھی نہ پڑھ سکیں۔ حالانکہ یہ تمام باتیں اللہ کے نزدیک بہت بڑا جرم ہیں' اور اسلام ان حرکتوں کو بدترین سمجھتا ہے۔

اور آگے ارشاد فرماتے ہیں۔

ان العدل،وانصاف المظلوم وتجنب الظلم مع مافى ذالک من الاجر يزيد به الخراج وتكثر به عمارة البلاد والبركة مع العدل تكون وهى تفقد مع الجور والخراج الماخوذ مع الجور تنقص البلاد به و تخرب الخ" (۲)

---

(۱) ابو یوسف : كتاب الخراج ، صفحه ۱۰۹

(۲) ابو یوسف : كتاب الخراج ، صفحه ۱۱۱

ترجمہ واضح رہے کہ عدل اور مظلوم کے ساتھ انصاف اور ظلم سے پرہیز' ان باتوں میں جو کچھ اجر و ثواب ہے وہ تو ظاہر ہے اور اسکے علاوہ یہ فائدہ ہے کہ اس سے خراج بڑھتا ہے اور اس سے شہروں کی آبادی بڑھتی ہے اور انصاف سے برکت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور ظلم سے برکت مٹ جاتی ہے اور جو لگان (خراج) ظلم سے حاصل ہوتا ہے' اس سے شہر اجڑ جاتے ہیں اور ملکوں میں تباہی اور خرابی آتی ہے۔

اس لئے امام ابو یوسف ہارون الرشید کو ذمی کاشتکاروں سے وصول خراج (لگان) سے متعلق احکام بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وامر کم ان لاتاخذ الفاریس فی الخراج الا وزن تبعة لیس فیها تبر ولا اجور الضاربین ولا اذابة الفضه ولا هدیة النیروز والمهرجان ولا ثمن الصحف ولا اجور الفتوح ولا اجور البیوت ولا دراهم النکاح الخ (۱)

ترجمہ ہارون! میں تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ خراج میں وزن تبعہ (درہم و دینار کی ایک خاص قسم جو عام طور پر رائج تھی) کے علاوہ نہ لینا کہ اس وزن میں خالص سونے کے پتر داخل نہیں ہیں۔ اور سکہ ڈھالنے والوں کی اجرت بھی نہ لینا' اور نہ چاندی پگھلانے کی اجرت لینا اور نہ نوروز اور مہرجان کے ہدایا (بھینٹ) لینا' اور نہ رسید کی لکھائی کی اجرت اور نہ نہر کے پانی کی اجرت اور نہ مکانوں کی اجرت (مکان ٹیکس) اور نہ ہی نکاح کا ٹیکس لینا۔

لا یوخذ اهل الخراج برزق عامل ولا اجر مدی ولا اختفان ولا نزلة ولا حمو لة طعام السلطان ولا یدعی علیهم بنفیصة فتوخذ منهم ولا یوخذ منهم ثمن صحف ولا قراطیس ولا اجور الفتوح ولا اجور الکیالین ولا موسة ولا حد علیهم فی شئی من ذالک ولا قسه ولا نائبة سوی الذی وصفنا من المقاسمة الخ،، (۲)

اور اہل خراج سے نہ تحصیل دار کی تنخواہ مجرا کی جائے اور نہ تولنے اور ناپنے کی اجرت لی جائے اور نہ کٹائی کی اور نہ خلیفہ کے لئے مہمان نوازی کے سلسلہ میں کوئی بار ڈالا جائے'

---

(۱) ابو یوسف : کتاب الخراج، ص ۸۶ ابو عبید کہتے ہیں کہ دراہم نکاح سے وہ ٹیکس مراد ہے جو دیہات میں پیشہ ور عوتوں پر غیر اسلامی حکومتوں میں لگایا گیا۔

(۲) ابو یوسف : کتاب الخراج، صفحہ ۲۱۹

اور نہ یہ بہانہ بنا کر اور الزام لگا کر کہ انہوں نے پیداوار میں سے چرالیا ہے ان سے مزید لیا جائے۔ اور نہ رسید اور رجسٹر کی اجرت لی جائے اور نہ نہروں کے پانی کی اور نہ تولنے والوں کی اور نہ اس قسم کا کوئی اور بوجھ ان پر ڈالا جائے اور بٹائی کے اس حصہ کے علاوہ جو ہم نے بیان کر دیا ہے' نہ کسی اور قسم کا حصہ لیا جائے اور نہ حادثہ کا تاوان ان پر ڈالا جائے۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی نے گورنر کوفہ عبدالحمید کو اس سلسلہ میں جو فرمان بھیجا تھا اس میں یہ احکام درج تھے جو کتاب الخراج سے نقل کئے گئے ہیں۔ [1]

امام ابو یوسف نے اہل خراج پر عمال کی بے عنوانیوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی تنبیہ کی تھی کہ رشوت اور بھینٹ کی ظالمانہ رسوم کا کلیتا" انسداد ہونا چاہیئے۔

تحریر فرماتے ہیں:۔

انما مذهبهم أخذ شئی من الخراج كان أو من أموال الرعيه ثم إنهم ياخذون ذالک فيما يبلغنى بالعنف والظلم والتعدى ثم لايزال الوالى ومن معه قد نزل بقرية ياخذ اهلها من نزله بمالا يقدرون عليه ولا يجب عليهم حتى يكلفوا ذلک (۲)

ان عاملوں کا تو یہ مذہب ہے کہ بہرحال لینا چاہیئے خواہ وہ مقررہ خراج ہو یا رعیت کا ذاتی مال و متاع اور مجھے جہاں تک معلوم ہے یہ ہے کہ جبر و ظلم اور سختی کرتے ہیں اور لے کر چھوڑتے ہیں' پھر حاکم اور اس کے کارندے اگر کسی گاؤں میں جاتے ہیں تو حق مہمانی کے نام سے وصول کرتے ہیں' حتیٰ کہ ان کی مقدرت سے بھی زیادہ لے لیتے ہیں اور جو حق ان کے ذمہ نہیں ہے اس کو ظلما" حق بتا کر لیتے ہیں۔

اس نظام ٹیکس میں غریب رعایا پر کس قدر شفقت اور کرم کیا جاتا ہے اس کا اندازہ حضرت عمرابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خط کے اس جملہ سے ہوتا ہے جو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مظلوم مصری کسانوں کے بارے میں لکھا:۔

"ایک مخلوق جس پر خدا کی مہربانی ہے اور شہد کی مکھیوں کی طرح دوسروں کے لئے مشقت

---

(۱) ابو عبید : (کتاب الاموال، صفحہ ۴۳، ۴۴)

(۲) ابو یوسف : کتاب الخراج، ص ۱۱۶

اور محنت کرتی ہے' اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتی۔ "

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مظلوم طبقہ سے وہ تمام ٹیکس ہٹا دیئے جو عیش پرست حکمرانوں نے ان پر لاد رکھے تھے۔ بٹلر کے الفاظ میں "عرب حکمرانی نے مصریوں کو بھاری ٹیکس سے بہت بڑی نجات لائی۔"

نامور مسلم معیشت دان مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے اسلام کے نظام ٹیکس پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"عدل و ظلم کی حکومت کے درمیان ہمیشہ سے یہ امتیازی فرق چلا آتا ہے کہ عدل کی حکومت کا نصب العین رعایا اور عوام (پبلک) کی خدمت ہوتا ہے اور اس لئے عادل بادشاہ (حکمران) کا شاہی خزانہ رفاہ عام اور پبلک خدمات اور ان کی خوشحالی کے لئے ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی ذات پر ضروری حاجات سے زیادہ اس میں سے خرچ نہیں کرتا اور نہ عوام کو ٹیکس کی کثرت سے پریشان حال کرتا ہے اس کے برعکس جبر و ظلم کی حکومت کا منشاء بادشاہ اور حکومت کا اقتدار ذاتی تعیش اور اس کا استحکام ہوتا ہے اس لئے وہ نہ رعایا کے دکھ درد کی پروا کرتا ہے اور نہ ان کی راحت و آرام کا خیال کرتا ہے اور اس سلسلہ میں اگر کچھ بھی ہو جاتا ہے تو وہ حکومت کے مفاد و مصالح کے پیش نظر ضمنی ہوتا ہے۔ نیز اس حکومت کی رعایا ہمیشہ ٹیکسوں کے بوجھ سے دبی رہتی ہے اور اس ملک کی اکثریت افلاس' غربت ہی کا شکار رہتی ہے۔ [۱]"

الغرض' اسلام کے نظام مالیات میں ظالمانہ ٹیکسوں کا نہ شرعی جواز ہے نہ وجود اگر ہیں تو صرف عادلانہ اور مصالحانہ ٹیکس ہیں۔

۱- مولانا حفظ الرحمٰن : قصص القرآن ، ج ۳، ناشر قرآن لمیٹڈ اردو بازار لاہور، ص ۳۱۲، ۳۱۳

اسلامی ریاست کا ٹیکس لگانے کا حق

اسلام کا مالیاتی نظام اسلامی ریاست کے سربراہ کو ٹیکس لگانے کی اجازت دیتا ہے کہ وہ ملک کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے وہ شہریوں کے ایمان، عقیدہ، عزت و آبرو جان اور مال کی حفاظت کرتا ہے اور ان مقاصد کے حصول کے لئے فوج اور پولیس مقرر کرتا ہے۔ جھگڑے چکانے کے لئے عدالتیں قائم کرتا ہے، عقیدہ کی تبلیغ اور دینی امور کی اصلاح کے لئے تعلیم گاہیں قائم کرتا ہے اور مجرموں کو سزا دینے کے لئے عادلانہ نظام قائم کرتا ہے۔ اسلام اسلئے بھی ٹیکس لگانے کی اجازت دیتا ہے کیونکہ دولت جس کا کچھ حصہ اسلامی ریاست اپنے معاملات چلانے کے لئے بذریعہ ٹیکس حاصل کرتی ہے اس کی پیداوار اور تقسیم وغیرہ کے تمام مراحل میں عاملین پیدائش کی معاونت کرتا ہے۔ مثلاً

"دولت کے مرحلے میں عاملین پیدائش کی نقل و حمل کا انتظام ساز گار حالات اور ماحول پیدا کرنا، آجر و مزدور کا تنازعوں کے تصفیہ کے لئے لیبر کورٹس وغیرہ کا قیام تمام پیداواری شعبوں مثلاً صنعت و حرفت، زراعت و تجارت وغیرہ کے لئے انتظامات وغیرہ سب حکومت کرتی ہے۔

تقسیم دولت کے سلسلہ میں مقادیر اور معاییر کی تعین کرنا، مزدوروں کی اجرتوں کی تعین، عاملین پیدائش کے حصص کے تعین میں مداخلت تاکہ انہیں عادلانہ بنایا جا سکے، تقسیم دولت سے متعلق تنازعات کا چکانا اور اس سلسلہ کی دیگر تمام سہولیات حکومت مہیا کرتی ہے۔

مبادلہ دولت میں زر کا معیار اور اجرائی، سکہ سازی، شرائط تبادلہ کا تعین، آڈٹ اور حساب و کتاب کا انتظام، جعل سازی کا سدباب بذریعہ سزا اور جرمانہ، لین دین کا منصفانہ رواج بذریعہ قانون طلب اور رسد، ہنگامی حالات میں اشیاء ضرورت کی فراہمی وغیرہ حکومت کرتی ہے۔

اسی طرح صرف دولت کے شعبہ میں حکومت قوانین بناتی ہے۔ فضول خرچی کے رجحان کو کم کرنے کے لئے اخلاقی اور دیگر پابندیاں عائد کرتی ہے اور انہیں کم پیدا آور کاروبار میں لگاتی ہے۔

ان تمام فرائض کو سرانجام دینے کے لئے (اور اپنی سماجی معاشی تحفظ اسکیموں کی تکمیل اور معاشی اور انتظامی فرائض کی انجام دہی کیلئے) حکومت کو مالیات کی ضرورت ہے جس کے لئے وہ شہریوں پر ٹیکس لگاتی ہے۔

ٹیکس کے اسلامی اصول

بعض معیشت دانوں نے اسلامی محاصل کے اصول کا جائزہ آدم اسمتھ (Adam Smith) کے بیان کردہ چار قوانین کے تحت لیا ہے مگر ہم اس ذہنی مرعوبیت سے ہٹ کر خالصتاً اسلامی نقطہ نظر سے اسلام کے اصول محصول وضع کر سکتے ہیں۔

۱- اصول عقیدہ و نظریہ

اسلامی ریاست کا مسلمان شہری بعض ٹیکس محض اپنا مذہبی فریضہ اور عبادت سمجھ کر ادا کرتا ہے۔ مثلاً زکوٰۃ، عشر وغیرہ قرآن مجید میں تقریباً ۲۰ مقامات پر زکوٰۃ کا ذکر نماز کے بعد کیا گیا ہے جس سے اصول عقیدہ کے تحت زکوٰۃ کی ادائیگی کس قدر ضروری اور وجدانی طور پر سہل نظر آتی ہے، اور بعض ٹیکس اس لئے ادا کرتا ہے کہ اسلامی ریاست اس کے عقیدہ وایمان کی حفاظت کرتی ہے نیز اسلامی ریاست ان شعار کو قائم کرتی اور پروان چڑھاتی ہے جس پر وہ ایمان رکھتا ہے۔

اسی طرح ذمی رعایا اپنے جزیہ اور خراج اس لئے ادا کرتے ہیں کہ وہ اسلامی ریاست میں امن و امان سے رہ کر اپنے مسلمہ معتقدات پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔

۲۔ معاشرتی اصول

اسلام کے مالیاتی نظام محصول کا دوسرا اصول "معاشرتی اصول" ہے جس کے تحت اسلام ٹیکس کے ذریعے معاشرتی اور معاشی دونوں غرضوں کو پورا کرتا ہے۔ یعنی ایک طرف ریاست کو آمدنی ہوتی ہے اور دوسری طرف معاشرتی اونچ نیچ کا علاج بھی ہوتا ہے۔ اسلام اس غیر پسندیدہ صورت کو برداشت نہیں کرتا کہ دولت صرف چند ہاتھوں میں جمع رہے، چند سرمایہ دار، ملک وقوم کے مقدر سے کھیلتے رہیں اور غرباء کو اپنا محتاج بنا کر رکھ لیں۔ بلکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ دولت جو در اصل اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور قوام حیاۃ ہے مسلسل گردش کرتی رہے اس لئے اسلام ٹیکس لگا کر اس معاشرتی اور معاشی تفاوت کا علاج کرتا ہے۔

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ ۔ (سورۃ الحشر۔ ۷)

ترجمہ تاکہ دولت تمہارے مالداروں ہی میں گردش نہ کرتی رہے۔

قرآن مجید نے ٹیکس کے اس اصول کو ایک اور جگہ یوں بیان کیا ہے:۔

يَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۵ قُلِ الْعَفْوَ سورۃ البقرۃ ۲۱۹

ترجمہ وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں تو آپ کہیں جو زائد از ضرورت ہو۔
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے محصول کا مقصد سمجھاتے ہوئے فرمایا:

«توخذ من اغنیائهم فترد علی فقرائهم،، (۱)

زکوٰۃ ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء میں تقسیم کر دی جائے گی۔

۳۔ اصول مساوات

اسلام کے مالیاتی نظام میں ٹیکس ریاست کے مسلم اور غیر مسلم دونوں قسم کے شہریوں پر لگائے جانے کے علاوہ امراء اور غرباء پر بھی لگائے جاتے ہیں۔ امراء سے مراد وہ صاحب نصاب لوگ ہیں جن سے زکوٰۃ اور عشر وغیرہ لیا جاتا ہے۔ غرباء سے ٹیکس دو صورتوں میں لیا جا سکتا ہے:۔

۱۔ در آمدات کا محصول ان سے بالواسطہ کم و بیش وصول کیا جاتا ہے۔

۲۔ ہنگامی حالات میں ان سے بھی قربانی۔ گو نہایت قلیل ہو۔ کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔ غرباء کو جب اغنیاء کے فاضل اموال سے ملے گا تو ان سے کچھ وصول بھی کیا جا سکتا ہے۔ قرآن حکیم کا یہ ارشاد اس کی دلیل بن سکتا ہے۔

يُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ الحشر : ۹

ترجمہ : اور وہ دوسروں کو اپنے پر ترجیح دیتے اور اگرچہ وہ خود بھوکے ہوں
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے (بہترین صدقہ اس شخص کا ہے جو قلیل المال ہو کر مال کو خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالتا ہے) (۲) اس مسئلہ کی جانب راہنمائی کرتا ہے۔

---

(۱) بخاری صحیح، ج ۱، کتاب الزکوٰۃ

(۲) فتح الباری، جلد ۳، ص ۲۲۹–۲۳۰

اس سلسلے میں نبی اکرم اللہ علیہ وسلم نے اشعری قبیلہ کے بارے میں جو ارشاد فرمایا وہ اس پر جواز کی سند رکھتا ہے:-

ان الاشعريين اذا ارملوا فى الغزو وقل زادهم او قل طعام عيالهم بالمدينة جمعوا ماكان عندهم فى ثوب واحد ثم اقسموا بينهم فى اناء واحد بالسوية بينهم فهم منى و انامنهم (۱)

ترجمہ اشعری قبیلہ کے لوگوں کی عادت ہے کہ جب وہ جنگ (ہنگامی حالت) کے لئے روانہ ہوتے ہیں اور ان کا زاد راہ ختم ہونے کو آئے یا مدینہ میں رہتے ہوئے ان میں غذائی (اشیاء کی) قلت محسوس ہو تو جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے اسے ایک کپڑے میں اکھٹا کر لیتے ہیں پھر ایک برتن کے ساتھ اسے آپس میں برابر تقسیم کر لیتے ہیں۔ وہ (اپنے اس عمل کی بناء پر) مجھ سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں۔

اور غیر مسلموں کی جب اسلامی ریاست جان مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرتی ہے۔ ان سے بیرونی دشمن سے حفاظت کے وقت جان کی قربانی کا مطالبہ بھی نہیں کیا جاتا، تو ان سے کچھ وصول بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں ضابطہ یہ قرار دیا گیا ہے:

اجباية با حماية

(محصول حفاظت کرنے پر ہی ہے)

اور مسلمانوں کے لئے تو باسانی یہ قانون بنا دیا گیا ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ میں اس طرح ہے:

و ان لا يأخذ منهم الا فضلهم عن رضاهم (۲)

(ان کی رضامندی سے ان سے اتنا ہی مال لیا جائے جو ان کی ضروریات سے زائد ہو۔)

۱- مسلم باب فضائل الاشعرية، جلد ۲ ص ۳۰۳ مطبوعه دہلی -
۲- بخاری : صحيح ، فضائل عثمان رضى الله تعالىٰ عنه

۴۔ تیقن کا اصول

اسلام کے نظام محصول کا تیسرا اصول "تیقن" ہے۔ یعنی جو ٹیکس یہاں لگائے جاتے ہیں ان کی قانونی حیثیت انکی مقدار، ان کا وقت ادائیگی، طریقہ ادائیگی اور ضرورت ادائیگی سب کا علم ٹیکس دہندگان کو ہوتا ہے۔ آپ اسلامی ریاست کے کسی ٹیکس کو لیں یہ اصول اس پر پورے طور پر لاگو ہوگا مثلاً زکوٰۃ، خراج، جزیہ، عشور وغیرہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدینؓ کے زمانے میں ان کی تمام جزئیات متعین تھیں اور ایسے تمام ٹیکسوں کی اسلام نے حوصلہ شکنی کی ہے جن کا عوام کو تیقن ہی نہ ہو۔

۵۔ اصول سہولت

اس اصول کے تحت اسلام نے ٹیکس دہندگان کو ٹیکس کی ادائیگی اس کی ادائیگی کے طریقہ کار اور وقت ادائیگی میں سہولت پیدا کر دی ہے مثلاً عشر کو لیں یہ صرف اس وقت لاگو ہوتا ہے جب فصلیں پک کر تیار ہو جائیں اور طریقہ ادائیگی میں سہولت کی مثال پھلوں کا عشر ہے کہ انہیں درختوں پر ہی موزوں کر لیا جاتا ہے اور کاشتکار کو انہیں توڑنے اور پھر وزن کرنے کے جنجال سے بچایا گیا ہے۔ معدنیات کے خمس میں بھی اسی کو ہی پیش کیا جاسکتا ہے اور ان کی قیمت کو بھی۔ اسی طرح جزیہ کی ادائیگی میں جنس اور نقد دونوں کی اجازت ہے۔ حتیٰ کہ بعض صورتوں میں خدمات کی شکل میں بھی جزیہ لیا گیا ہے۔ (۱)

ادائیگی کا وقت بھی موزوں ہے کہ ٹیکس ان سے اس وقت لیا جاتا ہے جب ان کے پاس ادائیگی کے لئے کچھ ہوتا ہے۔

اصول سہولت کے تحت عوام پر ایسا ٹیکس یا اتنی مقدار میں ٹیکس نہ ہو جو انہیں مغلوب کر دے یا بغاوت پر آمادہ کر دے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو اس بارے میں اس قدر اہتمام تھا کہ ایک مرتبہ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دجلہ کی ایک سمت اور حضرت عثمان بن حنیفؓ دجلہ کی دوسری سمت کا خراج وصول کر کے واپس لوٹے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "شاید تم نے ذمیوں سے ان کی طاقت سے زیادہ وصول کیا ہو گا؟" حضرت حذیفہؓ نے فرمایا جو ان کے پاس چھوڑا ہے اس کے مقابلہ میں یہ بہت ہی کم مقدار ہے۔ اور حضرت عثمان نے فرمایا ان کے پاس اس سے دو گنا حصہ چھوڑ آیا ہوں۔" ۱

۱۔ بلاذری : فتوح البلدان، صفحہ ۱۷۸، فتح الجزیرہ)

ذمیوں سے جزیہ کے وصول کے سلسلہ میں اصول سہولت کی تشریح کرتے ہوئے فقہاء اسلام نے کہا ہے:-

لا یظلموا ولا یؤذوا و لا یکلفوا فوق طاقتھم ولا یؤخذ شی من اموالھم الابحق یجب علیھم (۲)

ترجمہ ان پر ظلم کیا جائے نہ انہیں تکلیف دی جائے نہ ان پر ان کی طاقت سے بڑھ کر بار ڈالا جائے جو ان پر واجب نہ ہو

۶۔ اصول کفایت

اسلام کے نظام ٹیکس کا اصول کفایت مندرجہ ذیل صورتوں میں اپنا عمل کرتا ہے:۔

۱۔ ٹیکس دہندگان پر ٹیکس اس طور پر لگایا جاتا ہے اس سے حاصل شدہ رقم سرکاری اخراجات کی کفایت کرے اور بصورت ہنگامی حالات رعایا سے بعد میں نہایت قلیل مقدار میں وصول کی جائے۔

۲۔ ٹیکس کی وصولی کے اخراجات اتنے زیادہ نہیں ہونے چاہئیں جو رقم کا ہی کثیر حصہ لے اڑیں۔

۳۔ اخراجات اس قدر زیادہ نہ ہوں جن کی ٹیکس کی وصولی کفایت ہی نہ کر سکے۔ اس لئے فقہاء کرام نے لکھا ہے زکوٰۃ کی وصولی کے اخراجات ۲۰ سے ۵۰ فیصد تک ہوں۔ (۳)

اسلام کے نظام مالیات میں ٹیکس کا دائرہ کار

۱۔ اکثر ٹیکس بلاواسطہ ہیں۔

۲۔ شہریوں کی جائز معاشی کمائیوں کو محدود کرنے پر کوئی مقررہ ٹیکس نہیں لگایا جاسکتا۔ البتہ بے جا مصرف کو ٹیکسوں کے ذریعے کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ ابو یوسف : کتاب الخراج، المطبعة السلفية، القاهره ۱۳۸۲ھ صفحه - ۳۷

۲۔ کتاب الخراج ص ۱۲۵۔

۳۔ فتاویٰ ظهیریه اور تفسیر مظهری۔

۳۔ آمدنی پر کوئی مقررہ ٹیکس نہیں بلکہ زائد اور جمع شدہ دولت پر ہے، جو نصاب کے مطابق ہو اور اس پر پورا سال گزر جائے جیسے زکوٰۃ۔

۴۔ پیداوار کے ذرائع اور آلات پیدائش پر کوئی مقررہ ٹیکس نہیں۔
لہٰذا تمام مشینیں، کارخانوں کی عمارات جہاز اور دیگر تمام ذرائع نقل و حمل پر مقررہ ٹیکس نہیں۔

۵۔ اب در آمدات و بر آمدات پر اسلام نے کوئی ٹیکس نہیں لگایا تھا۔ البتہ جب دیگر ممالک مسلمان تاجروں پر ٹیکس لگائیں تو اسلامی ریاست بھی ایسا کر سکتی ہے مگر ضروری نہیں۔ [1]

۶۔ حصول انصاف کے راستے میں کوئی مقررہ ٹیکس اسلام میں نہیں لہٰذا کورٹ فیس وغیرہ ناجائز ہیں۔

۷۔ سرکاری صنعتوں کے قیام کے لئے ٹیکس لگانا بھی جائز نہیں بلکہ اندرونی اور بیرونی سرکاری قرضوں سے کیے جائیں۔ یا شراکت و مضاربت کی بنیاد پر عوام کے تعاون سے ہوں۔

۱۔ ابن حزم: المحلّی، جلد ۶، صفحہ ۱۱۴، نمبر ۱۷۰۲

کیا اسلامی ریاست کو زائد ٹیکس لگانے کا حق حاصل ہے ؟

اسلامی ریاست کی اجتماعی فلاح سکیموں اور منصوبوں کے لئے اسلام کے مالیاتی نظام میں دس (۱۰) بارہ (۱۲) مروج ذرائع آمدن رہے ہیں۔ لیکن اسلامی ریاست کو ان ذرائع کے علاوہ اور ہنگامی ٹیکس لگانے کی بھی اجازت ہے۔ فقہاء کرام نے ان ٹیکسوں کو ضرائب ونوائب وغیرہ کا نام دیا ہے۔ ان ضرائب کا جواز مندرجہ ذیل آیات اور احادیث سے کیا گیا ہے۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ - الروم : ۳۸

ترجمہ: اور قرابت والوں اور مسکین اور مسافر کے جو حق تم پر واجب ہیں وہ ادا کرو۔

وَفِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ - الذاریات : ۱۹

ترجمہ: اور ان کے مالوں میں مانگنے والوں اور تنگ دستوں کا حق ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ - البقرہ: ۲۱۹

ترجمہ: اور وہ آپ سے دریافت کریں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے جو ضرورت سے زائد ہو۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال فی مالک حق سوی الزکاۃ۔ [۱]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی (اجتماعی) حقوق ہیں۔

فقہاء اسلام کے نزدیک ناگہانی ضرورت مثلاً حادثہ، جہاد وغیرہ کی صورت میں سرکاری خزانہ کی مدد کرنا تمام مسلمانوں پر فرض کفایہ بن جاتا ہے اور اگر ضرورت ایسی ہو جو کسی خاص علاقہ کے لئے مخصوص ہو تو اس کی ذمہ داری عام نہیں ہوگی۔ (۲)

ان ضرائب کی مثال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ تبوک کے لئے صحابہ کرام پر چندہ لگانا ہے

۱- ابو عبید، کتاب الاموال، ط مصر (۱۳۵۳)، ص ۳۵۷

۲- ابو یعلیٰ الاحکام السلطانیۃ ص ۲۳۷ کتاب الاموال ص ۲۰۷۔

جس کے لئے حضرت ابو بکرؓ ایسے مخیرّ تو گھر کا سارا اثاثہ اٹھا کر لاتے تھے۔

مفاد عامہ کے لئے جو جائز ٹیکس لگائے جائیں ان کی ادائیگی فقہاء کرام کے نزدیک ضروری ہے۔

"ایسے جدید محاصل جو جائز طور پر لگائے گئے ہیں جیسے مشترکہ نہر کھودنے کے لئے یا پہرہ دار کی اجرت کے لئے یا اسلامی فوج کو مسلح کرنے کے لئے یا جنگی قیدیوں کو چھڑانے کے لئے یا اس طرح کے دیگر کاموں کے لئے تو ایسے محاصل کی ادائیگی بالا تفاق جائز ہے۔"[۱]

ان ٹیکسوں کی ادائیگی کی ضرورت پر علامہ ابن ہمام کی رائے یہ ہے۔

"ایسے نئے محاصل کی ادائیگی ہر صاحب استطاعت مسلمان پر واجب ہے کیونکہ حاکم وقت کی اطاعت ہر ایسے امر میں واجب ہے جس میں مسلمانوں کی بھلائی ہو۔"[۲]

البتہ وہ محاصل جو مفاد عامہ کے لئے نہ ہوں ان کی ادائیگی میں فقہاء کا اختلاف ہے۔[۳]

عن علیؓ بن ابی طالب یقول! ان اللّٰہ تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی اموالھم بقدر ما یکفی فقرائھم فان جاعوا او عروا وجھدوا فبمنع الاغنیاء۔ (۴)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اغنیاء کے مالوں میں اس قدر فرض کر دیا ہے جو ان کے فقراء کو کفایت کر سکے۔ پس اگر فقراء بھوکے ہیں یا ننگے ہیں اور خستہ حال ہیں تو اس کا سبب یہی ہو گا کہ اغنیاء اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی برت رہے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بہت سے دیگر صحابہ کرام کا یہی مذہب ہے۔ فقہاء کرام میں سے عطا بن ابی رباح، امام شعبی، طاؤس، حماد بن سلمہ اور ابو عبید قاسم بن سلام کا بھی یہ مذہب ہے۔ (۵)

۱- مرغینانی : ھدایہ، جلد ۳، کتاب الکفالۃ

۲- ابن ھمام : فتح القدیر، ج ۵، کتاب الکفالۃ ص ۳۳۲)

۳- ھدایہ، کتاب الکفالۃ اور فتح القدیر ج ۵، کتاب الکفالۃ، ص ۳۳۲)

۴- ابن حزم : المحلی، ج ۶ ص ۱۵۶

۵- ابو عبید، کتاب الاموال ، ص ۳۵۷-۳۵۸

ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تو یہاں تک لکھا ہے

وفرض علی الاغنیاء من اهل کل بلد ان یقوموا بفقرائهم و یجبرهم السلطان علی ذالک، ان لم تقم الزکواة بهم۔ (۱)

ترجمہ: اور ہر شہر کے مالداروں پر فرض ہے کہ اپنے محتاجوں کی کفالت کریں۔ اور سلطان انہیں اس پر مجبور کر سکتا ہے بشرطیکہ زکوٰۃ کی آمدنی اس مقصد کے لئے ناکافی ہو۔

شمس الائمہ امام سرخسیؒ لکھتے ہیں یہ حکم تو اس زمانے میں تھا کیونکہ اس وقت مصیبت اور جہاد میں اعانت ہوا کرتی تھی اور ہمارے زمانے میں تو اکثر ٹیکس ظلم سے لئے جاتے ہیں۔ پس جس شخص کے لئے ممکن ہو کہ اپنی ذات سے ظلم دور کرے تو وہ اس کے حق میں بہتر ہے۔ (۱)

شمس الائمہ نے تو یہاں تک لکھا ''اگر کوئی دینا ہی چاہتا ہے تو ایسے شخص کو دے جو ظلم کو اپنی ذات سے دور کرنے سے عاجز ہے یا ایسے نادار کو دے جو اپنی ناداری کی اعانت ظلم کے مقابلہ میں کرے اور دینے والا ثواب پائے۔ (۲)

ماوردی نے حاکم کے ظلم اور عوام سے جائز ٹیکسوں کے لینے کے بارے میں نہایت بلیغ جملہ کہا ہے:۔

لان الزیادة ظلم فی حقوق الرعیة والنقصان ظلم فی حقوق بیت المال (۳)

ترجمہ: کیونکہ زیادتی رعایا کے حقوق پر ظلم کرنا ہے اور کمی بیت المال پر ظلم ہے۔

ایک دن ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا اے امیر المومنین! ان دونوں (خلیفہ اور بادشاہ) میں فرق ہے۔ آپ نے پوچھا وہ کیا؟ اس نے کہا کہ خلیفہ نہ تو بے جا لیتا ہے اور نہ بے جا صرف کرتا ہے اور الحمد للہ آپ ایسے ہی ہیں، اور بادشاہ تو رعایا پر ظلم ڈھاتا ہے اس سے لیتا ہے اور اس کو دیتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ خاموش ہو گئے۔ (۴)

جہاں تک جنگی اخراجات کا تعلق ہے اس کے بارے میں فقہاء کی رائے ہے کہ اگر سرکاری خزانہ میں اتنی رقم ہے کہ جنگی اخراجات پورے کئے جا سکتے ہیں تو عوام سے چندہ کی اپیل کرنا یا محصول لگانا مکروہ ہے

۱- ابن همام : فتح القدیر ج ۵، کتاب الکفالة، ص ۴۳۳

۲- حواله بالا، ص ۴۳۳

۳- ماوردی : الاحکام السلطانیه، باب ۱۸، ص ۱۹۸- ابویعلی : الاحکام السلطانیه، مطبعة مصطفیٰ الحلبی، قاهره، ص ۲۷۷)

۴- ابن سعد : الطبقات الکبری، ج ۳، ص ۲۲۱- سیوطی : تاریخ الخلفاء، صفحه، ۵۴،

اور اگر سرکاری خزانہ خالی ہے یا اخراجات پورے نہیں کر سکتا تو اس کی اجازت ہے (۱)

اس بحث سے ہم مندرجہ ذیل اصول اخذ کرتے ہیں۔

۱۔ اسلامی ریاست کو زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ بھی ٹیکس لگانے کا حق حاصل ہے۔

۲۔ یہ زائد ٹیکس اس وقت لگا سکتی ہے جب باقاعدہ شرعی ٹیکسوں اور حکومت کے اپنے پیداواری اور دیگر ذرائع آمدنی سے اس قدر آمدن نہ ہو جو اس کی شرعی فلاحی ضروریات کو کافی ہو۔

۳۔ جنگ، قحط، سیلاب و زلزلہ اور دیگر ہنگامی حالات میں حکومت اغنیاء پر ٹیکس لگا کر اپنی دفاعی اور کفالت عامہ کی ضروریات پوری کر سکتی ہے۔

۴۔ ایسے زائد ٹیکس دائمی نہیں عارضی ہوتے ہیں اور ضرورت پوری ہو کر مال کے فاضل ہو جانے کی صورت میں واپس کیے جانے چاہئیں تاکہ دوبارہ مانگنے پر پہلے سے زیادہ اور جلد حاصل ہو سکیں۔

۱۔ مرغینانی رحمته الله علیه : الهدایة، جلد ۲، کتاب السیر ص ۹۳۹

ضمیمہ جات

(ضمیمہ جات کے عنوان سے کمیٹی کے بعض فاضل اراکین کی تحریریں شامل کی جارہی ہیں۔ یہ تحریریں کونسل کی رپورٹ کا جزو نہیں ہیں اور ان اراکین کی اپنی آراء پر مشتمل ہیں۔ تاہم افادہ عام کی خاطر ان تحریروں کو اس ضمیمہ میں شامل کر لیا گیا ہے۔)

مولانا ارشاد الحق تھانوی
رکن اسلامی کونسل

اسلام کا معاشی نظام اور بنکاری

نفاذ اسلام کا ایک اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ اگرچہ چوتھائی یا تھائی یا نصف اسلام کا نفاذ تو ہو سکتا ہے مگر حقیقی اسلام سے نہ تو اس کا کوئی تعلق ہو گا بلکہ ایسے نفاذ کے بھی مطلوبہ نتائج بر آمد نہ ہوں گے۔ علاوہ ازیں امت مسلمہ اس یقین محکم سے سرشار ہے کہ ایک نہ ایک دن جونہی اسلام کا نفاذ ہوا اس کے صدیوں قدیم دکھ درد دور ہو جائیں گے۔ وہ مطلوبہ نتائج بر آمد نہ ہونے پر مایوسی کا شکار ہو جائے گی اور غیر مسلم دنیا کا پروپیگنڈہ اس کو اپنے دین کی افادیت کے سلسلہ میں گمراہ کر دے گا۔

مثال کے طور پر ہم سزا کا اسلامی نظام تو فوری طور پر نافذ کرتے ہیں لیکن جزا کا نظام تدریجی نفاذ پر چھوڑ دیا جاتا ہے تو امت جو پہلے ہی غیر اسلامی نظام کے ظلم و استحصال سے کراہ رہی ہے مزید سزاؤں سے دم توڑ دے گی۔ اسی طرح اگر معاشی نظام کے تمام بنیادی تقاضوں کو پورا نہیں کیا جاتا اور بنک سے صرف سود کا خاتمہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں تو دو اور دو کے حساب سے اس کی عملی شکل کیا بر آمد ہو گی؟ اس وقت زیادہ تر غریب اور متوسط طبقہ ہی سیونگ ڈیپازٹ کی سکیموں میں اپنی بچت جمع کراتا ہے جبکہ سرمایہ دار صاحبان بنکوں سے کثیر قرضے سود پر حاصل کرتے ہیں۔ اگر دیگر اسلامی اقدامات کے بغیر سود کو ختم کر دیا جائے تو بڑے سرمایہ دار جو پہلے ہی تمام مراعات سے خوب مستفید ہو رہے ہیں' مفت میں سرمایہ حاصل کر لیں گے جبکہ ان کی سوچ خالص کاروباری ہوتی ہے اور ان کے ذہنوں میں اپنی مصنوعات کی قیمتیں کم کرنے اور کارکنوں کی تنخواہوں میں منصفانہ اضافہ کا تصور بھی ناپید ہے۔ ازیں برعکس غریب اور متوسط طبقہ جو سیونگ ڈیپازٹ پر ایک قلیل فائدہ (بصورت سود) حاصل کر لیتا تھا اس فائدہ سے بھی محروم ہو جائے گا۔ تاہم اس مثال سے یہ نتیجہ ہرگز اخذ نہ کیا جائے کہ سود کے خبیث نظام کو ایک سیکنڈ کے لئے بھی جاری رکھنے کا جواز تلاش کیا جا رہا ہے بلکہ اصل اور پورا زور صرف اسلام کے مکمل نظام کے نفاذ پر ہے۔

دراصل اسلام نے دین فطرت ہونے کی بناء پر انسانیت کے غیر متغیّر پہلو کے لئے غیر متغیّر قوانین وضع فرمائے ہیں اور متغیّر پہلو کے لئے کچھ ثابت بنیادیں متعین فرما کر متغیّر اور ارتقاء کی راہیں کھلی چھوڑ دیں تاکہ وہ فطرت کائنات اور فطرت زندگی سے ہم آہنگ رہ سکے۔ مالی امور میں اسلام نے چند بنیادیں متعین کی ہیں جن میں ایک قدر مشترک ہے کہ سب لوگ دولت میں شریک ہوں اور کوئی محروم نہ رہے۔ قرآن کا کہنا ہے کہ دولت اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس نے جماعت کو عطا فرمائی ہے۔

«آمنوا بالله و رسوله وانفقوا مما جعلكم متخلفين فيه» (الحديد : ۷)

ترجمہ: تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور جس مال میں اس نے تمہیں قائم مقام کیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔

مزید ارشاد ہوا

«وآتوهم من مال الله الذى اتاكم» (النور : ۳۳)

ترجمہ: اور ان کو اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔

قرآن کے مطابق دولت میں اولین حق دار جماعت ہے۔ فرد اس کا اس وقت مستحق ہوتا ہے جب اس کا صحیح استعمال کرے۔ اگر صحیح استعمال نہ کرے تو یہ حق اس کے اولین حق دار جماعت کو واپس مل جائے گا۔

«ولا تؤتوا السفهاء اموالكم التى جعل الله لكم قياماً» (النساء : ۵)

ترجمہ: "اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے قیام زندگی کا ذریعہ بنایا ہے نادان لوگوں کے حوالے نہ کرو۔"

قرآن فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں گردش کرتی رہے اور مجموعی قوم اس سے محروم رہے۔

«کی لا یکون دولۃً بین الاغنیاء منکم» (الحشر : ۷)

ترجمہ: تاکہ یہ مال تمہارے تونگروں کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔

اسلام نے جماعت کو جو مال دیا اس میں لوگوں کے اشتراک کا طریقہ متعین نہیں کیا۔ مرافق عامہ افراد کی ملکیت کے بجائے عام لوگوں کے انتفاع کے لئے چھوڑ دیئے جائیں۔ یا مزدوروں کو اصل سرمایہ میں حصہ دار بنایا جائے۔ یا مزدوروں کو اس قدر اجرت دی جائے کہ ان کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ ان کی بابت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

جو ہمارا کام کرے اور اس کے پاس مکان نہ ہو تو اس کو مکان فراہم کیا جائے، اس کی شادی کی جائے۔ اگر اس کے پاس نوکر نہ ہو تو اس کو ملازم دیا جائے۔ سواری نہ ہو تو سواری کا جانور دیا جائے۔ (احمد۔ ابو داؤد)

چنانچہ دور اوّل کے مسلمان ان تمام امور سے واقف تھے۔ غیر متغیر امور میں ان کی فقہ یہ تھا کہ مخصوص کی سرچ کر دی جائے اور حالات پر ان کا انطباق بتا دیا جائے جبکہ متغیر امور میں ان کی فقہ، اصولوں کی حفاظت کے ساتھ تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول تھا۔ "جس قدر مسائل پیدا ہوتے جائیں گے ان کے احکام بھی لوگوں کے سامنے آتے جائیں گے۔"

ہمارے اقتصادی مسائل کی وضاحت ایک نوبل انعام یافتہ امریکی سائنس دان گلین ٹی سی برگ نے اس طرح کی ہے۔ (یہ وہ موصوف ہیں جنہوں نے ۱۹۲۱ء میں پلوٹونیم دریافت کیا تھا اور اس ٹیم کے بڑے رکن تھے، جس نے سب سے پہلے ایٹم بم بنایا تھا۔)

"کسان سے لیکر بادشاہ تک انسان کچھ اس مفروضہ کی بنا پر کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ بس ایک مختصر سی روٹی موجود ہے۔ اس میں سے جو جتنا بھی توڑ سکتا ہے توڑ کر کھالے اور یہ کہ یہ روٹی جتنی زیادہ تقسیم ہو گی اس کو اتنا ہی کم حصہ ملے گا۔ اس مفروضہ سے جہد زندگی ایک ایسی کشمکش میں تبدیل ہو گئی ہے کہ ایک دوسرے کا حصہ مار لینا نہ صرف جائز بلکہ فطری سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح کچھ لوگ تو اپنی ذہانت یا جرأت یا محض طاقت کے سبب زیادہ سے زیادہ حاصل کر لیتے ہیں زیادہ لوگ کم از کم سے بھی محروم رہ جاتے ہیں اور نا قابل برداشت دکھ اٹھاتے ہیں جبکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ ہی جاری رہے۔ یہ کوئی فطری رویہ وغیرہ بھی نہیں ہے بلکہ ذرائع و وسائل کو محدود سمجھنے کا ایک غیر اخلاقی نتیجہ ہے جسے کثرت تواتر کے سبب فطرت سمجھ لیا گیا ہے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اس کرہ ارض اور اس کے ارد گرد جو فضائے بسیط ہے، اس کے ذرائع اتنے محدود نہیں بلکہ اتنے کافی ہیں کہ موجودہ انسانی آبادی سے کہیں زیادہ آبادی کی تمام ضروریات پوری کرنے کے ساتھ ساتھ اسے کافی معقول آرام و آسائش مہیا کر سکتے ہیں۔ بس مسئلہ یہ ہے کہ ہم نہ تو ان ذرائع کا صحیح استعمال کرتے ہیں اور نہ

ایسے ذرائع کو جاننے کی پوری پوری کاوشیں کرتے ہیں جو ابھی ہم پر منکشف نہیں ہوئے۔"

بنکاری نظام بالخصوص فی زمانہ نظام معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ سودی بنکاری نے ہماری معیشت کو تباہ کر دیا ہے۔ سود کا نام مارک اپ یا سروس چارجز رکھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ غیر ملکی سودی قرضے کھربوں روپوں تک پہنچ چکے ہیں، جن کے سود کی ادائیگی تک کے لئے اربوں روپوں کے مزید غیر ملکی قرضے حاصل کرنے پڑتے ہیں اس کا منطقی انجام یہ ہوا کہ عالمی مالی اداروں نے ہماری معیشت پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا ہے وہ اپنے فائدوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارا بجٹ تیار کرتے ہیں اور ہم مجبور ہیں کہ ان کی پسند اور طلب پر اپنے غریب عوام پر ٹیکس پر ٹیکس عائد کرتے رہیں۔

غرض اس المناک صورت حال سے نجات حاصل کرنے کے لئے دینا کے سب سے بڑے اقتصادی ماہرین نے حسب ذیل اقدامات تجویز کئے ہیں

(۱) پیداوار میں اضافہ

(۲) وسائل کی تلاش اور وسائل کا انتخاب اور اس کی صحیح تقسیم۔

(۳) مرقوعہ بالا دو امور کے لئے سو فیصد لازمی ہے کہ ان شعبوں میں مینجمنٹ اور پلانرز ہر صورت میں خالص اہلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر مقرر کئے جائیں۔

(۴) مذکورہ بالا شقوں کی کامیابی صرف اور صرف اس پر موقوف ہے کہ ملک میں مکمل امن وامان ہو۔ اسلام اسی بناء پر امن وسلامتی کا دین ہے۔ ہمیں اپنی معیشت کی ترقی اور معاشی خوشحالی کے لئے امن وامان قائم کرنے کے لئے ٹھوس لائحہ عمل تیار کرنا ہو گا۔

میں حسب ذیل امور پر ایک طائرانہ جائزہ پیش کرتا ہوں

(۱) سرمایہ دارانہ نظام

(۲) سوشلزم

(۳) اسلامی نظام

(۴) سودی بنکاری کی تباہ کاریاں اور قرآن وسنت سے حوالے

(۱)

سرمایہ داری نظام کی بنیاد نفع اندوزی پر ہے۔ اس کے دائرہ کار میں یہ اصول شامل نہیں ہے

کہ معاشرہ میں عدل وانصاف کی اقدار رائج کی جائیں یا اس تضاد واختلاف کو رفع کیا جائے جس کے سبب انسان امیروغریب کے دو حریف طبقات میں منقسم ہو گیا ہے۔ اس کی اصل غرض وغایت سرمایہ کو بڑھانا اور ایک خاص طبقہ کے لئے بیش از پیش آسائش فراہم کرنا ہے۔ یہ درست ہے کہ بعض اقدامات سے مغربی ممالک میں مزدوروں کا معیار زندگی بلند ہو گیا ہے اور انہیں اوسط درجہ کے تمام تحفظات اور آسائشیں بھی حاصل ہو گئی ہیں۔ ان اصلاحات کا ماخذ بھی اسلام کے ابتدائی دور میں نافذ باہمی کفالت کا نظام ہے' مگر یہ جزوی اور ناقص طریقہ اختیار کرنے کے سبب حقیقی افادیت سے خالی ہے۔ انہوں نے اسلامی تاریخ سے یہ تو ادراک کر لیا کہ بنیادی ضرورت فراہم کئے بغیر وہ علم' ترقی اور قوت کی بلندیوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ تاہم سرمایہ دارانہ ذہنیت نے مکمل استحصال کا رخ اپنے معاشرہ کی بجائے تیسری دنیا کے غریب ممالک کی طرف موڑ دیا۔ علاوہ ازیں اپنے معاشرے میں اصلاحات کے باوجود یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ وہاں استحصال کا مکمل خاتمہ ہو گیا ہے اور وہ طبقہ باقی نہیں رہا جو حرص ولالچ کی دوڑ میں اربوں بنانے کے چکر میں مبتلا ہے۔ بلاشبہ اجارہ داری کی صورت میں سرمایہ کا دائرہ کار نسبتاً اجتماعیت اختیار کر لیتا ہے اور جب یہ گروپ بنا کر کارٹل کی شکل میں نمودار ہوتا ہے تو سرمایہ اجتماعی مصالح کے تابع نظر آتا ہے۔

تاہم یہ فکرونظر کا سراب ہے۔ اس کی عملاً صورت یہ ہے کہ پہلے ایک فرد کا استحصال محدود تھا تو اب بہت سے افراد نے مل کر اس کی طاقت وفطرت میں زبردست اضافہ کر دیا ہے۔ گویا اب اس کا دائرہ اثرونفوذ صرف اپنے معاشرے تک سمٹا ہوا نہیں رہا' بلکہ اب یہ منصوبہ سازی کی جاتی ہے کہ کس کس پسماندہ ملک کے خام وسائل تک رسائی حاصل کی جائے یہی وہ مرحلہ ہے جہاں امپیریلزم دنیا کو اپنے معاشی پنجوں میں جکڑنا شروع کر دیتا ہے خود اس سرمایہ دارانہ نظام میں زندہ رہنے اور اپنے معاشرے کے تضادات کو حل کرنے کی کس قدر صلاحیت ہے' عام اشخاص کو اس کا صحیح اندازہ اس وقت ہو گا جب تیسری دنیا مغرب کی امپیریلزم سے آزاد ہو جائے گی اور ہر ملک اپنے اقتصادی منصوبے اپنے ذرائع کے مطابق خود آزادانہ ترتیب دے گا۔ جب تک مغرب کی بالادستی قائم ہے' وہ خود اور دوسرے بھی اس غلط فہمی میں مبتلا رہیں گے کہ یہ سرمایہ دارانہ نظام کے ثمرات ہیں جو وہاں عامتہ الناس کو بنیادی ضروریات کا تحفظ اور آسائشیں حاصل ہو گئی ہیں۔

اس استحصالی نظام کے اثرات کا یہ عالم ہے کہ غریب ممالک اس کے چالاک اقتصادی

منصوبوں کی بناء پر اپنے عوام کو بنیادی ضروریات فراہم نہیں کر پاتے لیکن عوام اس کی تہذیب اور اقدار کو اختیار کر لیتے ہیں مثلاً اس نظام میں مقام و منصب کا تعین اس سے ہوتا ہے کہ اس کی تحویل میں کس قدر سرمایہ کی فراوانی ہے۔ آراستہ بنگلہ میں رہائش ہے یا معمولی مکان میں مقیم ہے۔ یہ خوبصورت کار کے ذریعہ قریب اور بعید کی مسافتیں طے کرتا ہے یا فٹ پاتھ پر پیدل چلتا ہے۔ حتی کہ خالص دینی حلقوں میں بھی جہاں اصولاً علم و تقویٰ کو معیار بنانا چاہئے وہاں صدارت اور عزت و تکریم کے دیگر مناصب بھی سرمایہ دار کو پیش کئے جاتے ہیں۔ اس غلط نظام کا منطقی نتیجہ ہے کہ اس میں ہر کام دولت ہی کے بل پر انجام پاتا ہے' اس لئے مذہبی و دینی ادارے بھی مجبور ہیں کہ مخلص اور دیندار بزرگوں کو نظر انداز کر کے سرمایہ داروں کی سرپرستی قبول کریں۔ ایک غریب کے مقابلہ میں سرمایہ دار کہیں زیادہ نیک' قابل اور بہتر انسان تصور کیا جاتا ہے۔ لہٰذا پوری قوم کا کردار بگڑ جاتا ہے اور پھر آپ اینٹی کرپشن پر اینٹی کرپشن ادارے قائم کرتے چلے جائیں' سب بک جاتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں دولت کی ہوس اتنی بے لگام ہو جاتی ہے کہ رشوت' منشیات اور اسلحہ کی ناجائز سوداگری' حتی کہ دشمن ملک کے مخبر بن جانے میں کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ سرمایہ داری کی جان سود در سود ہے جس کا آخر میں تذکرہ کیا جائے گا۔ اس نظام کے کل پرزوں میں زمیندار اور جاگیردار وغیرہ سب شامل ہیں۔

(۲)

سوشلزم نے سرمایہ داری کے ظلم و زیادتی کے ردعمل میں جنم لیا ہے جسے کارل مارکس نے اپنے فلسفہ کی حیثیت سے پیش کیا جبکہ لینن اور اینجلز نے اسے سائنسی قالب میں ڈھالا اور عملاً اس پر مبنی انقلاب برپا کیا۔ انہوں نے غیر مبہم الفاظ میں واضح کر دیا تھا کہ سوشلسٹ معاشرہ اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک مذہبی عقائد و روایات سے بیزار ہو کر خالص مادیت کو نظریہ حیات کے طور پر قبول نہ کر لیا جائے۔ اگرچہ اس نظام نے اسلام کے اقتصادی اصول کو اختیار کرنے میں زیادہ پیش رفت کی ہے۔ یعنی حکومت معاشرے کے تمام افراد کو بنیادی ضروریات فراہم کرے گی لیکن اس نے دو تبدیلیاں کر کے اپنی ناکامی کا سامان خود ہی فراہم کر لیا ہے۔ اس نے مذہب کو رخصت کر کے مجرد عقل کو اپنا رہنما قرار دیا ہے۔ ثانیاً اس کی حکومت نے تمام ملکی وسائل پر قابض ہو کر خود جابر اور آمر سرمایہ دار کی شکل اختیار کر لی ہے۔

بلاشبہ سوشلزم نے بنیادی ضروریات فراہم کر کے ایک عظیم انسانی خدمت انجام دی ہے مگر وہ جو کہا جاتا ہے کہ ایک ہاتھ سے دیا اور دوسرے ہاتھ سے واپس لے لیا، سوشلزم نے نسبتاً بہت زیادہ چھین لیا ہے، وہاں جانوروں کی مانند خوراک ضروری حاصل ہے مگر اظہار رائے کی آزادی سمیت تمام بنیادی حقوق غصب کر لئے گئے ہیں۔ آج انہیں خود احساس ہے کہ کارل مارکس کا سوشلزم غیر فطری ہے۔ لہٰذا پہلے انہوں نے مساوات کے اصول کو ختم کیا کیونکہ پیداوار میں زبردست قلت پیدا ہو گئی تھی اور خوف ناک قحط سے بچنے کے لئے دشمن سرمایہ اور ممالک سے کیش اناج درآمد کرنا پڑا۔ بالآخر صلاحیت اور کارکردگی کے مطابق اجرتوں کا تعین ہوا مگر مذہب سے لاتعلق ہونے کے سبب جانبداری اور نامنصفانہ تعین کے واقعات پیش آئے۔ اس کے نتیجہ میں وہاں چوری، ڈکیتی، غنڈہ گردی، رشوت اور بدعنوانی وغیرہ کو اس حد تک فروغ ہوا کہ حکومت جرائم کی بیخ کنی کیلئے سخت ترین اقدامات کا اعلان کرتی رہتی مگر قابو پانے میں ناکام ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام ہو یا سوشلزم دونوں نے دین کو دنیا سے علیحدہ کر کے جرائم، جنگوں اور برائیوں میں بے پناہ اضافہ کیا ہے۔ ان دو نظاموں کی وجہ سے نہ صرف تمام نوع انسانی کا امن وسکون غارت ہو گیا ہے بلکہ خود ان کے اپنے عوام تحیر خیز سائنسی ایجادات کے باوجود شدید اضطراب بے چینی کا شکار ہیں۔ تاہم ان تمام خرابیوں کے باوجود ان کے معاشروں نے جو بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لئے خواہ ناقص منصوبہ بندی کی، اس کے بھی نتائج رونما ہوئے کہ وہاں کے عوام میں حب الوطنی، باہمی اتحاد اخوت کے جذبات استوار ہوئے اور اس سازگار ماحول میں سائنسی علوم پر دسترس حاصل کر کے دنیا کی سپر پاور بن گئے۔

(۴)

اس جائزہ کی روشنی میں کیا یہ دانشمندانہ فیصلہ نہ ہو گا کہ ہم ان ناقص نظاموں کی بجائے اپنا کامل واکمل اسلامی نظام قائم کریں مگر نفاذ اسلام کا وہی مکمل طریقہ ہونا چاہیئے۔ جو نبی کریم صلی اللہ وسلم اور خلفائے راشدین کا طرۂ امتیاز تھا۔

حدیث نبویؐ ہے کہ میرے دو معجزے ہیں۔ ایک فقیری اور دوسرا جہاد۔ گویا فقیری اور جہاد لازم وملزوم ہیں۔ جہاد سے مراد ہے دکھ سکھ میں ہمہ وقت صبر و شکر اور استقلال کے ساتھ اپنے تمام میسر وسائل سے جدوجہد کرنا۔ فقیری کا اسلامی مفہوم محتاجی اور کاسہ گدائی نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے حکمران وسیع سلطنت اور کثیر دولت کے مالک ہونے کے باوجود سادہ زندگی بسر کریں۔ اس کے بغیر نفاذ اسلام کے مطلوبہ نتائج کی توقع عبث ہے۔ ایک مسلم مملکت ہو یا عالم اسلام، ان میں

اس وقت تک پائیدار امن اور بامعنی اتحاد کی جدوجہد اور توقعات بے سود ہیں جب تک ان میں اپنے جملہ وسائل سے ایک دوسرے کی ضروریات تکمیل کرنے کا اسلامی جوہر موجود نہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور میں سلطنت روم اپنی ہمعصر دوسری سپرپاور حکومت فارس کو شکست دیکر دنیا کی سب سے بڑی قوت بن چکی تھی۔ اس وقت قیصر روم اپنی لاکھوں مسلح افواج کے ہمراہ چھوٹی نوزائیدہ مسلم ریاست مدینہ پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں مکمل کر چکا تھا۔ دوسری جانب قرب وجوار سے روزانہ مال غنیمت کی کثیر رقوم بیت المال میں جمع ہو رہی تھیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگین بیرونی خطرات لاحق ہونے کے باوجود مال غنیمت کو بیت المال میں محفوظ رکھنے کی بجائے عوام میں تقسیم کرنے کو فوقیت دی۔ آپؐ کے اضطراب اور بے چینی کا یہ عالم تھا کہ رات کو اس وقت تک نیند نہ آتی جب تک ایک ایک شے تقسیم نہ ہو جاتی۔ اس طریقہ کار کا یہ نتیجہ بر آمد ہوا کہ عوام نے اپنی حکومت اور دین اسلام کا فریضہ اور جاں نثار ہونے کا محیرالعقول مظاہرہ کیا۔ جب حکومت روم کے خلاف غزوہ تبوک کی تیاری کے لئے چندہ کی اپیل کی گئی تو چشم فلک نے عدیم المثال مناظر دیکھے کہ امیروغریب' مرد و عورت سب نے کثیر مقدار میں اپنا مال و اسباب نچھاور کر دیا۔

سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل میں اتنے بھی وسائل نہ تھے جتنے آج ہمیں میسر ہیں اور آپؐ کے دشمنوں اور خطرات کی تعداد بھی کہیں زیادہ تھی مگر آپؐ نے اپنے تمام ذاتی اثاثے اور اپنی حکومت کا خزانہ عوام کی بنیادی ضروریات کی تکمیل پر صرف کر دیا۔ بعد ازاں مسلمانوں نے کسی ماورائی طریقہ سے دولت کے خزانے حاصل نہیں کئے تھے بلکہ صرف اور صرف اسی ایمان' عدل اور باہمی کفالت کے نظام کا منطقی صلہ عظیم تھا کہ غریب اور کمزور ہونے کے باوجود روئے زمین کی سب سے خوشحال اور طاقتور قوم بن گئے۔

لہٰذا ایک اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ زکوٰۃ عشر وصول کر کے ضرورت مندوں کی کفالت کا انتظام کرے۔ اگر زکوٰۃ و عشر ناکافی ہوں تو دیگر ذرائع سے کفالت کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے کیونکہ اسلام میں کفالت صرف انفرادی واجتماعی وجدان کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ دی جاتی چنانچہ امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ نے بیت المال سے ضرورت مندوں کے وظائف مقرر کئے جو زکوٰۃ کے معروف مصارف کے علاوہ تھے۔ سورہ بقرہ (۲۱۹) میں واضح طور پر ارشاد ہوا۔

"اور آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں؟ کہہ دیں کہ جو کچھ ضرورت سے زائد ہو"۔

اسلام معاشرے میں عام اجتماعی کفالت کا یہ اصول بھی ہے جس کے مطابق ہر بستی کے

لوگوں کو ہر اس فرد کے بارے میں جواب دہ قرار دیا جاتا ہے جو وہاں بنیادی ضرورت پوری نہ ہونے کے سبب موت کا شکار ہو جائے۔ یہ جواب دہی فوجداری قانون کے تحت ہوتی ہے ہر بستی والوں پر اس طرح مر جانے پر مرنے والے کی دیت ادا کرنا واجب ہوتی ہے' وہ اس کے قاتل قرار دیئے جاتے ہیں جو ان کے درمیان رہتے ہوئے فقروفاقہ کی وجہ سے موت کا شکار ہو جائے۔

چنانچہ اجتماعی کفالت کی صورتیں ہیں۔ (۱) انفرادی احسان (۲) اجتماعی کفالت کی ذمہ داری بذریعہ بستی اور فلاحی انجمنیں (۳) اجتماعی کفالت بذریعہ حکومت۔

یاد رہے کہ کفالت میں روزگار اور کاروبار فراہم کرنا بھی شامل ہے۔

(۴)

سودی بنکاری ہی وہ آسیب ہے جو امیر کو زیادہ امیر اور غریب کو زیادہ غریب بنا رہا ہے۔ سودی معیشت کا اساسی تصور یہ ہے کہ انسانی زندگی اور خالق کائنات کے درمیان کوئی تعلق نہیں۔ ان کے بقول انسان اصلاً اس زمین کا مالک ہے اور اللہ سے کئے ہوئے کسی عہد کا پابند نہیں۔ فرد پوری طرح آزاد ہے کہ جس طرح چاہے دولت کمائے' اس میں اضافہ کرے اور اس سے لطف اندوز ہو' اسے اس امر کی پروا نہیں ہوتی کہ اس سودی کاروبار سے لاکھوں انسان کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔

اگرچہ انسان نے اپنی عقل سے کچھ ایسے قوانین بنانے کی بظاہر کوشش کی ہے جو کبھی کبھی جزوی طور پر انسان کی اس بے مہار دولت کی دوڑ پر قابو پانے کی مداخلت کرتے ہیں۔ مثلاً شرح سود میں ردوبدل کر دیا' دھوکہ' فریب' چوری' غبن' ملاوٹ' ذخیرہ اندوزی اور سمگلنگ وغیرہ کی بعض صورتوں کو قابل جرم قرار دیدیا ہے۔ لیکن یہ اکثر و بیشتر جگہ ناکام ہیں کیونکہ یہ قوانین تو انسان کی اپنی خواہشات سے متعین ہوتے ہیں اور مالک کائنات کے مقرر کردہ اصول و قوانین سے ان کا کوئی رابطہ اور تعلق نہیں ہوتا۔

اس نظام نے ایک اور باطل اور فتنہ انگیز فکر کو جنم دیا ہے' کہ انسانی وجود کا مقصد کسی نہ کسی طریقہ سے مال حاصل کر کے اپنی خواہشات کے مطابق لطف اندوز ہونا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج انسان پر دولت کمانے کی ہوس مسلط ہے اور اس سے عیش و عشرت کے سامان فراہم کرنے میں ہمہ وقت غرق رہتا ہے۔ منطقی طور پر وہ انسانیت کی بقا کے تمام اصولوں کو کبھی فراموش کر دیتا ہے اور اس طرح پورے کرہ ارض پر انسانیت کسی نہ کسی آفاقی اصول کی پامالی کے سبب دکھ میں سسکتی نظر آتی ہے۔

غرض سودی معیشت حیات انسان کو اخلاقی نفسیاتی اور اعصابی اعتبار سے پست کر کے دولت کی گردش اور انسانی معیشت کی منصفانہ اور موزوں ترقی کو ناممکن بنا دیتی ہے۔ اس نظام میں پوری انسانیت پر حقیقی اقدار اور عملی اختیار چند افراد اور گروہوں کے ہاتھوں میں مرکوز ہو جاتا ہے۔ اس کے تخلیق کردہ یہ وہ عناصر ہیں جنہیں نہ مالک کائنات کا ڈر ہوتا ہے نہ اپنے انسانی بھائیوں کی تکلیف و آفات کا احساس۔ انہیں صرف سرمایہ ہی حاصل نہیں ہوتا بلکہ نفوذ ورسوخ تک رسائی ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہ اخلاقی اور دینی تصور نہیں رکھتے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ایسے تصورات کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ لہٰذا قدرتی طور پر اپنی زبردست اثرونفوذ سے ایسے حالات پیدا کرنے' ایسے افکار کو متعارف کرانے اور فروغ دینے اور ایسے طور طریقے رائج کرنے کیلئے استعمال کرتے ہیں جن کی مدد سے ان کے لئے مزید دولت سمیٹنا اور استحصال آسان سے آسان تر ہو جائے۔

ان لوگوں نے سب سے آسان طریقہ یہ ایجاد کیا ہے کہ انسانوں کے اخلاق خراب کئے جائیں اور لوگ لذت کوشی اور شہوت پرستی کے دلدل میں جا گریں کیونکہ فی الواقع اس بے دین دنیا میں غریب شخص بھی ان امور پر اپنی جیب خالی کر دیتا ہے خواہ ایک وقت کی روٹی میسر نہ ہو۔ پیسہ تمام کا تمام سرکل میں سے گزرتا ہوا ان سرمایہ داروں کی تجوریوں میں پہنچ جاتا ہے جنہوں نے اخلاق بگاڑنے کے لئے نت نئے جال بچھائے ہیں۔ ساتھ ساتھ ان کے اثرورسوخ کے نتیجہ میں صنعتی اور معاشی پیداوار تمام انسانوں کے مفاد کی بجائے سود خور سرمایہ داروں کے مفاد کے مطابق انجام پاتی ہے۔ اس طرح ایک جانب اپنے اپنے ملکوں کی اور دوسری جانب پوری دنیا کی سیاست' معیشت صنعت اور اخلاق پر کنٹرول اور اجارہ داری حاصل کر لیتے ہیں۔ سودی نظام خالص معاشی نقطہ نظر سے بھی ایک مضر اور ناقص نظام ہے۔ اس کی تباہی کے تواب وہ صاحبان بھی قائل ہو گئے ہیں جو اس نظام کے پروردہ اور معمار ہیں۔ جرمنی کے عالم معاشیات ڈاکٹر شاخت جو جرمنی کے ایک مشہور بنک کے گورنر بھی رہ چکے ویں' نے دمشق میں اپنے ایک مقالہ میں کہا تھا کہ وہ الجبرے کے ذریعے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ دنیا کی ساری دولت چند سود خوروں کے ہاتھوں میں پہنچنے والی ہے۔ اس کا سبب یہ بیان کیا گیا کہ سود پر قرض دینے والا ہمیشہ فائدہ حاصل کرتا ہے جبکہ قرض لینے والا کبھی فائدہ اٹھاتا ہے تو کبھی نقصان بھی برداشت کرتا ہے۔ ظاہر ہے اس طرح ایک دن ساری دولت اس کے ہاتھوں میں آجائے گی جس کو ہمیشہ فائدہ ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج دنیا کی بیشتر دولت کے اصل مالک چند ہزار افراد ہیں باقی سارے اصحاب مملکت اور کارخانہ دار جو بینکوں سے قرضے لے کر کاروبار کرتے ہیں اور ان

کو مزدور وغیرہ سب انہی مالداروں کے تنخواہ دار ملازمین کی حیثیت رکھتے ہیں جن کی محنت کے ثمرات ان چند ہزار افراد کی ملتے ہیں۔

علاوہ ازیں معاشی نظام کے سود پر قائم ہونے کی وجہ سے تجارت اور صنعت میں سرمایہ داروں اور مزدوروں کے درمیان تعلق کی نوعیت دائمی طور پر باہمی کشمکش اور محاذ آرائی کی ہو جاتی ہے سود خور زیادہ سے زیادہ سود کے حصول کی کوشش کرتا ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ سرمایہ کو روک لیتا ہے۔ تاکہ صنعت و تجارت کی طرف سے اس کی طلب میں شدت ہو اور سود کی شرح میں اضافہ ہو جائے۔ وہ اس شرح میں اس چالاکی کے ساتھ اضافہ کرتا رہتا ہے کہ تاجر اور صنعت کار کو یہ نظر آتا ہے کہ اتنی اونچی شرح سود پر سرمایہ حاصل کر کے سرمایہ کاری سے اسے کوئی نفع حاصل نہ ہو گا کیونکہ سرمایہ کی پیداوار اتنی زیادہ نہیں ہو گی کہ وہ سود ادا کرنے کے بعد اپنے لئے کچھ نفع بھی حاصل کر سکے۔ علاوہ ازیں وہ سود پر حاصل کی ہوئی رقم کو امانت تصور نہیں کرتے اور قومیائے گئے بینکوں کی افسر شاہی سے ساز باز کر کے سود کی ادائیگی تو ایک طرف اصل سرمایہ بھی ہڑپ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ افسر شاہی بھی غبن' بدعنوانی اور خراب کارکردگی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

جب یہ صورتحال رونما ہوتی ہے تو پیداواری سرگرمیاں جن میں کروڑوں افراد کام کرتے ہیں سست پڑ جاتی ہیں اور ان میں لگا ہوا سرمایہ گھٹنے لگتا ہے' کارخانے اپنی پیداوار کم کر دیتے ہیں' مزدور بیروزگار ہو جاتے ہیں اور قوت خرید کم ہو جاتی ہے۔ اس مرحلہ پر جب سود خوار یہ دیکھتے ہیں کہ سرمایہ کی طلب گھٹ گئی یا ختم ہو گئی تو وہ سود کی شرح کم کرنے کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ بعد ازاں تجارتی اور صنعتی پہیہ جو جام ہونے لگا تھا چلنے لگتا ہے۔ گویا دنیا میں کساد بازاری اور زندہ رہنے کے وسائل پر سب اسی سودی نظام کا قبضہ ہے اور انسانیت بے زبان بیل کی مانند ان کے کولھو میں جتی رہتی ہے۔

مزید بر آں سارے صارفین ہی سود خوروں کو براہ راست سود ادا کرتے ہیں کیونکہ تاجر اور صنعتکار جو سود کا سرمایہ استعمال کرتے ہیں' ان کا سود مع اپنے منافع کے صارفین ہی سے وصول کرتے ہیں۔ وہ اشیاء صرف کی قیمتوں میں اس سود کا اضافہ کر دیتے ہیں۔

اسلام کے نزدیک قرض سب برابر ہیں۔ خواہ اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کے لئے لیا جائے یا پیداوار پر لگانے کے لئے۔ اگر قرض مصارف کیلئے لیا گیا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ قرض لینے والا اپنی ضروریات میں خرچ کرے تو اس کو اصل کے علاوہ کچھ اور دینے پر مجبور کرنا کسی بھی طرح

قرین انصاف اور انسانی فعل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہی بہت ہے کہ اپنے معاشرہ کا ضرورت مند فرد گنجائش ہونے پر اصل کو واپس کر دے۔ اگر قرض پیداوار کے متعلق کاموں پر لگانے کے لئے لیا گیا ہے تو اس پر جو کچھ نفع ہوتا ہے، وہ ثمرہ دراصل اس محنت کا ہے جو وہ خود کرتا ہے نہ کہ اس مال کا جو اس نے قرض لیا ہے کیونکہ سرمایہ بلا محنت نفع آور نہیں ہوتا اور اسلام میں اصل اہمیت محنت کو ہی حاصل ہے۔ سرمایہ کے ذریعہ نفع کمانے کی صورت میں صرف شرکت و مضاربت ہے جس میں نفع اور نقصان دونوں کا احتمال رہتا ہے۔ انہی اسباب کی بناء پر سود کو کسی بھی حالت میں جائز قرار نہیں دیا گیا۔

سودی نظام کی سب سے بڑی خرابی جو آج پوری دنیائے انسانیت کو گھن کی طرح کھا رہی ہے، یہ ہے کہ سود خور سود پر اپنا سرمایہ صرف ایسے کاروبار اور صنعتوں پر دینے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں جن سے کم سے کم وقت میں بے حد و حساب منافع حاصل ہو سکے۔ کاروباری صاحبان اور صنعتکار بھی اول تو سود خواروں کے آمرانہ رویہ کے پیش نظر اور پھر خود بھی زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی ہوس میں ایسا ہی انسانیت دشمن طریقہ کار اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ دور حاضر میں یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ خواہ ملک کو زراعت اور اجناس یا ملک کے دفاع کیلئے مخصوص صنعتوں کی شدید ترین ضرورت ہو لیکن ان کی بجائے ہم لپ اسٹک، پاؤڈر، غرض تعیّشات اور کاسمٹکس وغیرہ کی مصنوعات کا ایک متعفن، گندہ اور زہریلا سیلاب اپنے بازاروں میں دیکھتے ہیں۔ انسان بھوکوں مر جائے، بجلی کے بغیر اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارے اور ملک غلام بن جائے لیکن سودی نظام کا پنجہ اتنا گہرا اور سخت ہوتا ہے کہ ان تمام المیوں اور ھزیمتوں پر ٹک ٹک دیدم، دم نہ کشیدم کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔

بین الاقوامی پیمانے پر سودی کاروبار کرنے والی اقوام کا بھی یہی حال ہے سود کے ذریعہ بین الاقوامی استحصال میں اضافہ ہوتا ہے۔ کمزور اقوام سودی قرضوں کے جال میں پھنس کر طاقتور اور مالدار قوموں کی محکوم ہو جاتی ہیں۔ یہی وہ بات ہے جس کے سبب عالمی کشیدگی، اقتصادی سامراجیت اور اسلحہ کی تجارت میں اضافہ ہوتا ہے اور نتیجتاً ہولناک جنگ کے بادل دنیا پر چھائے رہتے ہیں۔ ہر شخص واقف ہے کہ کسی ملک پر اپنی بالادستی قائم کرنے کیلئے ایک موثر طریقہ تجارت بھی ہے لیکن موجودہ دور میں دوسرے ملکوں پر اپنا تسلط جمانے کے لئے سود سے زیادہ ممد و معاون اور موثر کوئی دوسرا ذریعہ نہیں۔

مزید بر آں سود کا آسیب پس ماندہ ممالک کے علاوہ ترقی یافتہ ملکوں کو بھی تباہ کر دیتا ہے۔ آرتھر کٹس نے بلڈر جرنل میں لکھا ہے۔ "ایک مرتبہ انگلستان کے قومی قرضہ کی رقم تقریباً ساڑھے سات ارب پونڈ تھی۔ چودہ سال میں چار ارب دس کروڑ پونڈ ادا کئے اور اسی مدت میں چار ارب ۲۲ کروڑ پونڈ بھی بطور سود ادا کئے گئے۔ گویا ساڑھے سات ارب پونڈ کا قرضہ لیا اور آٹھ ارب ۳۲ کروڑ پونڈ واپس کئے مگر اس کے باوجود قومی قرضہ آٹھ ارب پونڈ اب بھی واجب الادا تھا"۔

پاکستان کا اس سے بھی خراب حال ہوا کہ اس کے پاس سود کی ادائیگی کے لئے بھی رقم نہ رہی اور اس کے لئے بھی اسے سود پر نئے قرضے لینے پڑے۔

سود کی بنیاد یہ ہے کہ سرمایہ کاری کو نفع نقصان کے امکان، ذمہ داری اور پیداوار سے علیحدہ رکھا جائے۔ اقتصادی سرگرمی کے لئے یہ انتہائی تباہ کن ہے۔ اس سے معاشرے میں سازشوں، ناپسندیدہ حرکتوں، استحصال، اور عدم استحکام کا ایک نہ ختم ہو جانے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ سود کے لئے یا معیشت پر سرمایہ دار اور بینکار کی گرفت مضبوط کرنے کے لئے معاشرے کے اقتصادی وسیلوں کے کچھ حصوں سے کام نہیں لیا جاتا۔ بالآخر اس سے اقتصادی سرگرمیوں میں کمی آجاتی ہے یورپ کے صنعتی انقلاب کے دور کے ایک مشہور فلسفی کک نے ایک تاجر کی رائے لکھی۔ "سود سے عموماً تجارت تباہ ہو جاتی ہے کیونکہ سود تجارت اور تجارتی منافع سے بہتر ہے یہی وجہ ہے کہ مالدار تاجر اپنے سرمایہ سے کماتے ہیں جبکہ عام تاجروں کا کاروبار ختم ہو جاتا ہے"۔

انہی کا کہنا ہے کہ سود سے متوازن ترقی کی راہ رک جاتی ہے اور نتیجتاً چند لوگ بے پناہ دولت کے مالک بن جاتے ہیں جبکہ بڑی تعداد میں حقیقی اور اصلی سرمایہ کار اپنے جائز منافع سے بھی محروم ہو جاتے ہیں اور معیشت کی پیداواری حدیں پوری نہیں ہوتیں۔

ممتاز مغربی مفکر کینس نے تجویز پیش کی ہے کہ کسی ترقی یافتہ معیشت کیلئے سود کی مناسب شرح صفر فیصد ہے۔ یعنی سود کا وجود ہی نہ ہونا چاہئے۔ قرضوں اور سود سے بین الاقوامی استحصال کے مقاصد کس طرح پورے کئے جاتے ہیں، اس ضمن میں یہودی دانشوروں کی ایک دستاویز کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

"تمام ملکوں کی اقتصادیات کی جان یعنی سونا ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے محترم بزرگوں نے سیاسی معیشت کے جس علم کی بنیاد رکھی تھی اس کے طفیل طویل عرصہ سے سرمایہ کو تحفظ ملا ہوا ہے۔ اقتصادی بحران رونما ہونے کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ مارکیٹ سے سرمایہ واپس لے لیا

جائے سود کی ادائیگی کے سبب ان قرضوں سے مختلف ممالک کی اقتصادیات پر بھاری بوجھ پڑا اور یوں وہ ملک سرمایہ کاروں کے غلام بن گئے۔ ان طریقوں سے قرضے لینے والے ملکوں کے خزانے خالی ہو گئے۔ حکمرانوں کے سر پر قرضوں کی تلوار لٹکتی رہی اور یہ حکمراں ہمارے بنکاروں کے آگے بھکاریوں کی طرح ہاتھ پھیلائے کھڑے تھے۔

غیر ملکی سود کے قرضے جونک کی طرح ہیں جو اس وقت تک کسی ملک کو نہیں چھوڑتے جب تک وہ خود نہ چاہیں' یا پھر متعلقہ ملک انہیں نوچ کر پھینک دیں۔ جب تک یہ قرضے داخلی نوعیت کے تھے۔ غریبوں کی جیب سے دولت نکل کر امیروں کے پاس جمع ہوتی رہی مگر جب ہم نے ان قرضوں کو خارجی حیثیت دی تو مختلف ممالک کی دولت ہمارے پاس جمع ہونے لگی اور تمام ساہو کار ہمارے غلام بن گئے"۔

"سود کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ نئے قرضوں کے وسائل موجود ہوں۔ یہ قرضے ضائع نہیں ہوتے بلکہ ان سے قرضوں کے سرمایہ کی مد میں اضافہ ہوتا ہے اور جب یہ قرضے ختم ہو جاتے ہیں تو خسارہ پورا کرنے کیلئے نئے ٹیکس لگائے جاتے ہیں۔ یہ خسارہ قرضوں کے باب میں نہیں بلکہ سود کی ادائیگی کے سلسلہ میں ہوتا ہے۔ یہ ٹیکس ایک خسارہ کو پورا کرنے کیلئے ایک خسارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہم مارکیٹ میں سود سے قرضے دینے والے سرکاری ادارے قائم کریں گے۔ ان اداروں کے ذریعہ ہم مارکیٹ پر چھا جائیں گے اور یوں تمام صنعتی ادارے ہمارے محتاج بن کر رہ جائیں گے۔"

کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ سود خوروں کو تمام راحتیں اور آسائشیں میسر ہیں۔ سامان آسائش اور حقیقی سکون دراحت میں بڑا فرق ہے۔ ان کی تحویل میں بلاشبہ سب کچھ ہے مگر امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک کے متعلق بعض رپورٹ شاید ہیں کہ وہاں ۷۵ فیصد آدمی خواب آور گولیوں کے بغیر سو ہی نہیں سکتے۔ یہ تو سکون کا عالم ہے وہ چاند ستاروں پر پہنچ رہے ہیں مگر سکون عنقا ہے۔ وہ کبھی اسے منشیات میں تلاش کرتے ہیں بلکہ ایک بڑی آبادی منشیات میں مبتلا ہو کر تباہ ہو رہی ہے

جہاں تک عزت و تکریم کا تعلق ہے تو بلاشبہ متعدد ممالک' ترقی یافتہ ممالک سے بڑے بڑے قرضے وصول کر رہے ہیں' مگر ان کے مضر اثرات کے سبب پسماندہ ممالک عوام میں یہی نفرت اور لگن چھپی ہوئے ہے کہ کسی طرح جلد از جلد ان کے جال سے نجات حاصل ہو جائے۔

یقیناً سودی نظام کے متعلق بعض خوبیاں بیان کی جاتی ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ ہر چیز کے بارے میں مجموعی طور پر فیصلہ کیا جاتا ہے کہ اس سے فوائد زیادہ ہیں یا نقصانات۔ اگر کسی بات سے نفع بعض وقتی اور ہنگامی ہو جبکہ نقصان دیرپا اور دائمی ہو تو ظاہر ہے وہ بات قابل تقلید قرار نہیں دی جا سکتی۔ اسی طرح اگر کسی چیز کا نفع محض انفرادی ہو اور اس کی وجہ سے پورا معاشرہ خسارے میں مبتلا ہو جائے تو وہ چیز بھی مسترد ہو جائے گی۔ مثلاً چوری اور ڈکیتی میں چور ڈاکو تو فائدے میں رہتے ہیں مگر یہ معاشرے کے لئے نقصان اور مصیبت کا باعث ہوتا ہے۔ لہٰذا کوئی شخص چوری ڈکیتی کے گن نہیں گا سکتا۔

آج ہر شخص واقف ہے کہ بیسویں صدی کی دونوں عالمی جنگوں اور موجودہ علاقائی جنگوں اور بڑی طاقتوں کی مسابقت کے درمیان نوع انسانی کا نام مٹانے والی ایٹمی جنگ کے خطرات کے پس پشت اقتصادی مقاصد کارفرما ہیں۔ سیاسی نظام کی ناکامی، ہوس ملک گیری، عالمی اقتدار کی خواہش اور اقتصادی عناصر سب سودی معیشت کا نتیجہ ہیں۔ ایسی معیشت کے لئے جنگ لازمی ہے۔ اور جنگ کے لئے ضروری وسائل یہی معیشت مہیا کرتی ہے۔ علاوہ ازیں کہیں تو یہ مقامی جنگ، طبقاتی کشمکش، فرقہ وارانہ چپقلش قبائلی لڑائی، علاقائی جنگ اور قومی جنگ کا روپ اختیار کرتی ہے اور کبھی عالمی جنگ کی صورت میں پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ کروڑوں انسان ہلاک اور زخمی ہو جاتے ہیں اور بچنے والی آبادی مابعد جنگ کی تباہ کاریوں سے سسکتی رہتی ہے۔ ہتھیاروں کی اس بین الاقوامی تجارت اور تیاری کے پس پشت محرک سودی معیشت کی ضرورتیں ہیں۔

سودی نظام سے نفرت کی ایک اور شکل مختلف قسم کی جنگوں کے فروغ میں نمودار ہوئی ہے۔ یہ علاقائی، فرقہ وارانہ اور معاشرے کی سماجی گروہوں کی جنگیں ہیں۔ جب قرآن مجید میں خدا اور اس کے نافرمان سودی کاروبار کرنے والوں کے درمیان جنگ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کا مفہوم یہ نہیں کہ انسان اور خدا کی فوجیں ایک دوسرے سے برسرپیکار ہوں گی۔ اس کا واضح مدعا یہ ہے کہ انسان، انسان کے خلاف، بھائی بھائی کے خلاف، معاشرے کے مختلف طبقے ایک دوسرے سے برسرپیکار ہوں گی۔ اس کا واضح مدعا یہ ہے کہ انسان، انسان کے خلاف، بھائی بھائی کے خلاف، اور ایک قوم دوسری قوم کے خلاف محاذ آرائی اور جنگ آرائی میں مبتلا ہو جائے گی۔ یہ تمام خرابیاں سودی معیشت کے حریص افراد کی استحصال پسندانہ ذہنیت کا نتیجہ ہیں۔

ایک ممتاز ماہر اقتصادیات ڈاکٹر ایم۔ این۔ ہدیٰ نے لکھا ہے۔ ''اسلام کے لئے جدید معیشت کا اہم ترین چیلنج سود بھی رفتہ رفتہ اپنی اہمیت وافادیت کھو رہا ہے۔ ہر شخص بخوبی واقف ہے کہ اسلام نے سود کی ممانعت کی ہے۔ خواہ اس کا مقصد یا نتائج کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ سود سے رقم ادھار دینے اور لینے والے کے درمیان پہلے سے طے شدہ شرح کے مطابق رقم کی ادائیگی کا تعین ہوتا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ موجودہ عہد میں کسی ترقی پذیر معیشت کے لئے سود ایک لازمی جزو کی حیثیت رکھتا ہے تاکہ عام لوگوں میں بچت کی عادت ڈالی جائے' ان رقموں کو بینکوں میں جمع کرایا جائے اور ان سے سرمایہ کاری کا کام لیا جائے۔ اس صورت میں سود اقتصادیات اور اقتصادی منصوبہ بندی کی بنیادی حیثیت رکھتا ہے لیکن سوال یہ ہے کیا درحقیقت یہ خیال درست ہے؟

کیا واقعی سود اقتصادی سرگرمیوں میں اتنا ہی اہم کردار ادا کر رہا ہے؟ یہ درست ہے کہ سود من مانے طریقے پر تعین کیا جاتا ہے اور ممکن ہے آزاد کاروبار کے عروج کے زمانے میں سود ایک مؤثر عنصر کی حیثیت رکھتا ہو مگر دنیا میں پہلے مرکزی بینک کے قیام کے بعد حالات یکسر تبدیل ہو گئے۔ بنک نے سود کی شرح کے تعین کے سلسلہ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اس وقت بھی جب سود سے اقتصادی وسیلوں سے کام لینے اور وسیلوں کی تقسیم پر اثر پڑ رہا تھا' سود پر سخت کنٹرول تھا۔ بعدازاں سینٹرل بنک کی پالیسیوں کے نتیجہ میں سود کی اہمیت کم سے کم ہو گئی تھی۔ اس وقت جبکہ دنیا میں ہر جگہ منظّم معیشت موجود ہے' وسیلوں کی تقسیم ایک مسئلہ بن گئی ہے۔ یہ مسئلہ سود کا مسئلہ نہیں بلکہ پسند کا مسئلہ ہے۔ اگر سرمایہ کاری کے شعبے مقرر کرنے کا اہم معاملہ طے ہو جائے تو سود اور حکومت کی دوسری پالیسیوں کا مقصد صرف سرکاری فیصلوں پر عملدرآمد کرنا' لوگوں کو سرمایہ لگانے کی ترغیب دینا اور ضروری ہو تو لوگوں کو سرمایہ کاری پر مجبور کرنا ہوتا۔ اس طرح موجودہ زمانہ کی معیشت میں سود کا درجہ اور ضرورت پہلے ہی کم سے کم ہو چکی ہے''۔

سود خوروں کی ایک اور چالاکی ملاحظہ ہو۔ جسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی قرآن مجید کے اس نظریہ سے متفق تھے کہ سود کے نتیجہ میں آفتیں آتی ہیں جس میں ایک سود لینے والا کا دیوالیہ ہو جانا ہے۔ ان مصائب سے بچنے کے لئے اس نے دو مستقل ادارے قائم کئے۔ ایک بیمہ کمپنی اور دوسرا سٹہ کا بازار۔ ممکن ہے روئی کے گودام میں اچانک آگ لگ جائے یا عالمی کساد بازاری کے سبب روئی کے نرخ گر جائیں۔ اگرچہ ان دونوں صورتوں میں لگا ہوا بیشتر سرمایہ تو قوم کا ہوتا ہے۔ لہٰذا سود خوروں کا نقصان کم اور قوم کا زیادہ ہے مگر انہوں نے اپنے اس قلیل نقصان کو قوم کے سر تھوپنے کے

لئے ایک طرف بیمہ کمپنیاں قائم کیں جن میں قوم ہی کا سرمایہ جمع رہتا ہے۔ چنانچہ جب اس نوعیت کا کوئی نقصان ہوتا ہے تو یہ سود خور بیمہ کمپنیوں سے اپنا نقصان پورا کر لیتے ہیں۔ بیمہ کمپنیوں سے بیش از بیش فائدہ تو یہی سود خور سرمایہ دار حاصل کر لیتے ہیں اور ناگہانی موت کی صورت میں گنتی کے چند افراد کے ورثا مستفید ہوتے ہیں۔

دوسری طرف نرخ گر جانے کے خطرے سے بچنے کے لئے سٹہ کا بازار گرم کیا۔ اس سٹہ کے ذریعہ بیشتر قوم کو متاثر کیا گیا تا کہ جو نقصان نرخ گر جانے کی بناء پر ہونے والا تھا وہ قوم پر منتقل کر دیں۔ یہ تو تھے ناقابل تردید دنیاوی دلائل مگر مسلمانوں کو قرآنی آیات کریمہ اور احادیث نبویؐ سے آگاہ ہونا چاہیے جن میں واضح طور پر سود کو حرم قرار دیا گیا ہے اور اس صورت میں سودی نظام کے قیام کا ایک سیکنڈ کے لئے بھی جواز نہیں رہتا ان آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ کا حسب ذیل ترجمہ ملاحظہ ہو۔

(۱) جو لوگ سود کھاتے ہیں (وہ قیامت کے دن) نہیں کھڑے ہو سکیں گے مگر اس طرح جیسے وہ کھڑا ہوتا ہے جس کو شیطان نے لپٹ کر خبطی بنا دیا ہو۔ ان کو یہ سزا اس لئے ہو گی کہ یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی تو سود کی مانند ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے۔ پس جس کے پاس اپنے پروردگار کی طرف سے یہ نصیحت پہنچی اور وہ (سود سے) باز آ گیا تو کچھ پہلے ہو چکا ہے وہ اسی کا ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے رہا۔ جو کوئی پھر بھی اعادہ کرے تو یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (البقرہ۔ ۲۷۵)

(۲) اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ (البقرہ۔ ۲۷۶)

(۳) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم واقعی ایمان رکھتے ہو (البقرہ۔ ۲۷۸)

(۴) پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا (سود نہ چھوڑا) تو خبردار ہو جاؤ اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ اور اگر تم توبہ کر لیتے ہو تو تمہارا اپنا اصل سرمایہ تمہارا ہی ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم (البقرہ۔ ۲۷۹)

(۵) اے ایمان والو! سود در سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تا کہ فلاح سے ہم کنار ہو۔ (آل عمران۔ ۱۳۰)

سود لیتے تھے۔ (النساء۔ ۱۶۱)
(۶) اور اس سبب سے بھی کہ باوجود منع کئے جانے کے سود لیتے تھے۔ (النساء۔ ۱۶۱)
(۷) اور جو تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو خدا کے نزدیک اس میں اضافہ نہیں ہوتا۔ اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو اور اس سے اللہ کی خوشنودی طلب کرتے ہو تو ایسے ہی لوگ (مال کو) دو گنا اور سہ گنا کرنے والے ہیں۔ (روم۔ ۳۹)

احادیث نبویؐ ملاحظہ ہوں

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے' سودی معاملہ پر گواہی دینے والے اور اس کا وثیقہ لکھنے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے۔ (صحیح مسلم)۔
(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ چار آدمی ایسے ہیں' کہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ ان کو جنت میں نہ داخل کرے اور جنت کی نعمت نہ چکھنے دے۔ وہ یہ ہیں۔ (۱) شراب پینے کے عادی (۲) یتیم کا مال ناحق کھانے والا (۳) سود کھانے والا (۴) اپنے والدین کی نافرمانی کرنے والا (مستدرک حاکم۔ صحیح بخاری اور مسلم میں بھی اس نوعیت کی حدیث ہے)۔
(۳) رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سود کا ایک درہم کھاتا وہ ۳۶ بار بدکاری کرنے سے زیادہ سخت گناہ گار ہو گا۔ (مسند احمد)
(۴) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کسی قوم میں سودی کاروبار کا رواج ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر اشیاء ضروریات کی گرانی مسلط کر دیتا ہے' اور جب کسی قوم میں رشوت عام ہو جائے تو دشمنوں کا رعب و غلبہ اس پر ہو جاتا ہے (مسند احمد)

ربوٰا (سود) عربی زبان کا لفظ ہے۔ طلوع اسلام سے قبل عرب میں ربوٰا کا کاروبار عام طور پر رائج تھا۔ جب ۸ ھ میں سورہ بقرۃ کی آیات کریمہ سے ربوٰا کے حرام ہونے کا فرمان جاری ہوا تو ایک بھی حدیث موجود نہیں کہ صحابہ کرام کو اس کی حقیقت سمجھنے میں دِقّت پیش آئی ہو بلکہ انہوں نے جس طرح شراب کے متعلق احکام کی تعمیل کی اسی طرح سود کا کاروبار فوراً بند کر دیا۔

قرض دے کر اس پر نفع لینے کا نام ربوٰا ہے۔ البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا کے مفہوم میں بیع و شراء کی چند صورتوں کو شامل فرمایا جن کو عرب اس وقت ربا نہ سمجھتے تھے۔ مثلاً چھ چیزوں کی بیع و شراء میں یہ فرمان صادر ہوا کہ اگر ان کا تبادلہ کیا جائے تو برابر ہونا چاہیئے۔ اس میں کمی بیشی کی گئی یا ادھار دیا گیا تو وہ بھی ربا ہے یہ چھ چیزیں سونا' چاندی' گیہوں' جو' کھجور اور انگور ہیں۔ اس اصول

کے تحت وہاں مزابنہ اور محاقلہ کو حرام قرار دیا۔ مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر لگے ہوئے پھل کو ٹوٹے ہوئے پھلوں کے بدلہ میں اندازہ سے فروخت کیا جائے جبکہ محاقلہ کا مفہوم یہ ہے کہ کھڑے کھیت کے اناج وغیرہ کو خشک صاف کئے ہوئے غلہ گندم سے اندازہ لگا کر فروخت کیا جائے۔ اندازہ میں کمی بیشی کا امکان رہتا ہے۔ اس کو نا جائز قرار دیا گیا ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا غریب عوام کے لئے سرمایہ داری، زمینداری وغیرہ سمیت نظام، سوشلزم اور سودی نظام زہریلا اور آسیب ہے جبکہ سود سے پاک اسلام کا اقتصادی نظام نوع انسانی کے تمام دکھوں کا مداوا ہے۔ اس کے قیام کے بغیر دوسرے اسلامی اقدامات کے مطلوبہ نتائج بھی بر آمد نہیں ہو سکتے۔

-۲-

میں نے اپنے گزشتہ مضمون "بنکاری" میں تفصیل کے ساتھ قرآن و سنت کے حوالوں اور دور جدید کے تقاضوں اور دلائل سے ثابت کیا تھا کہ سود کا فوری خاتمہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضاو خوشنودی کے لئے لازمی ہے بلکہ ہماری تباہ شدہ معیشت کو ترقی و خوشحالی کی راہ پر لانے کو یقینی بنانا بھی ہے۔

سورہ بقرہ کی ۲۷۸ اور ۲۷۹۔ آیات مقدسہ میں غیر مبہم فرمان صادر ہوا کہ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔ اگر تم واقعی ایمان رکھتے ہو۔ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خبر دار ہو جاؤ۔ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ اگر تم توبہ کر لیتے ہو تو تمہارا اپنا اصل سرمایہ تمہارا ہی ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر۔

بنابریں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں اپنے پروردگار کے مذکورہ فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے فرمایا لوگو جاہلیت کے تمام سودی کاروبار آج سے ممنوع اور ہر ربوٰا (سود) معاف ہے سب سے پہلے میں اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کا سود معاف کرتا ہوں۔ (مسلم' داود)

لہٰذا مملکت پاکستان جو اسلام کے نام پر بے پناہ قربانیوں کے بعد وجود میں لائی گئی اور پھر عوام کے منتخب نمائندوں نے فوری طور پر پاکستانی دستور میں اتفاق رائے سے قرار داد مقاصد منظور کی جس میں نفاذ اسلام کا عہد کیا گیا۔ اور موجودہ ۱۹۷۳ کے آئین میں بھی اسلامی نظریاتی کونسل کو خصوصی فرائض سپرد کئے گئے کہ وہ نفاذ اسلام کے لئے سفارشات پیش کرے تاکہ ان کی روشنی میں ضروری قانون سازی اور اصلاحات کے ذریعہ رب جلیل کے حضور سرخروئی ہو اور اہل پاکستان بھی رب کریم کی فیوض و برکات سے مستفید ہوں۔ اب کسی بھی مزید تاخیر کے بغیر سودی بنکاری کے خاتمہ کا اعلان کر دیا جائے۔

۱۔ ہمارے برادر مسلم ملک سوڈان میں سودی معیشت کو بیک قلم ختم کر دیا گیا ہے سود کو مارک اپ یا مارک ڈاؤن کے ناموں سے منسوب کر کے یہ سمجھ لینا کہ سود ختم ہو گیا ہے نہ صرف خود فریبی ہے بلکہ اسلام کو بدنام کرنے کے مترادف ہو گا۔

۲۔ مشارکہ ومضاربت اور قرضہ حسنہ ہی سودی بنکاری کا حقیقی شرعی متبادل ہے نفع ونقصان میں شرکت ہی منصفانہ قرآنی بنیاد ہے سورہ نساء کی آیت کریمہ ۲۹ میں ارشاد ہوا۔ ''اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ لیکن اگر کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے ہو تو مضائقہ نہیں۔ گویا ناجائز طریقے مثلاً سود قمار یا غرر استعمال کر کے مال کمانا قطعی حرام ہے۔

۳۔ موجودہ بنکنگ سسٹم میں افراد یا اداروں یا حکومت کے درمیان تجارت یا قرضوں کے کاروبار میں اصل سرمایہ پر جو زائد رقم ادا یا وصول کی جاتی ہے وہ سود ہے اسے ختم کیا جائے۔

۴۔ مختصر مدت کی مالیاتی ہنڈیوں پر ڈسکاؤنٹ (DISCOUNT) ادا کیا جاتا ہے سود ہے۔

۵۔ سیونگ سرٹیفکیٹس پر جو قرضے دیئے جاتے ہیں ان پر ادا کیا جانے والا سود بھی ختم کیا جائے۔

۶۔ پروویڈنٹ فنڈ اور پوسٹل لائف انشورنس میں جمع کی جانے والی رقموں پر ادا کیا جانے والا بھی سود ہے۔

۷۔ صوبائی حکومتوں اور لوکل باڈیز اور سرکاری ملازموں کو دیئے جانے والے قرضوں پر وصول کیا جانے والا سود بھی ختم کیا جائے۔

۸۔ حصہ داری کے میعادی سرٹیفکیٹ کہا جاتا ہے سود کے خاتمہ کی اسکیم ہے حالانکہ اس شکل میں نفع ونقصان کا خیال کئے بغیر مالی اداروں کے لئے کاروباری اداروں کے حاصل شدہ نفع میں سے متعین نسبت سے حصہ دینے کے بجائے سرمایہ کی مقررہ شرح سے نفع مقرر کر دیا ہے جو فی الواقع سود ہے۔ علاوہ ازیں نقصان کی صورت میں مالی اداروں کو نہ صرف اس نقصان سے بچایا گیا ہے بلکہ سود کی رقم کے مساوی اضافی حصص کا حقدار قرار دے کر اسے آئندہ سال وصول کرنے کا اختیار بھی دیا ہے۔ یہ شریعت کے صریحاً خلاف ہے۔

۹۔ بنکوں اور ڈاک خانوں نے ایک غیر شرع اسکیم جاری کی ہے کہ اگر کوئی ماہانہ کچھ رقم ایک مقررہ وقت کے لئے جمع کراتا رہے تو مقررہ وقت گزر جانے کے بعد وہ اور ان کے ورثا روز قیامت تک ماہانہ قسط ہر ماہ حاصل کرتے رہیں گے۔

۱۰۔ اگر کوئی مسلمان اپنے ضرورت مند مسلمان برادر کو قرض حسنہ دے تو اس رقم کو انکم ٹیکس آرڈی ننس کے تحت دس فیصد سے بارہ فیصد تک شرح سود پر دیا گیا قرضہ قرار دیا جاتا ہے اور پھر قرض حسنہ

دینے والے کی آمدنی میں اس رقم کی حد تک اضافہ کر کے انکم ٹیکس وصول کر لیتے ہیں۔ افسوس قرضہ حسنہ جو اسلامی معیشت کا ایک اہم پہلو ہے اس کی حوصلہ شکنی اور سود کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔

۱۱۔ نظریاتی کونسلوں کی متفقہ رائے تھی کہ پرائز بانڈ پر انعامات کی ادائیگی سود ہے مگر افسوس ختم کرنے کے بجائے بڑی قیمت کے پرائز بانڈز جاری کر دیئے اور انعامات میں لالچی بنانے کے لئے بڑا اضافہ کر دیا۔

۱۲۔ لاٹری کی جتنی بھی اقسام ہیں وہ سب کی سب قرآنی اصطلاح میں میسر اور حدیث کے مطابق قمار ہے اور یہ قطعی حرام ہیں مگر افسوس حکومتیں اور اس کے زیر انتظام اداروں نے سود کا نام بدل کر اسے منافع وغیرہ کہنا شروع کر دیا اور سودی بنیاد پر زیادہ سے زیادہ سرمایہ جمع کرنے کے لئے ابلاغ عامہ میں خوب پبلسٹی دی جاتی ہے۔

۱۳۔ خاص ڈیپازٹ یا ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ یا اسی قسم کے دیگر سرٹیفکیٹ کے اجراء میں کھلا سود ہوتا ہے۔ اگر ہمارا فی الواقع اللہ پر ایمان ہے تو ان سب سے سود کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اللہ مسبب الاسباب ہے۔ ایک زمانہ میں کہا جاتا تھا کہ پی آئی اے میں شراب پر پابندی عائد کر دی تو فضائی کمپنی خسارہ میں مبتلا ہو جائے گی مگر اس کی پابندی کے بعد ایسے نئے حالات پیدا ہو گئے کہ پی آئی اے کا منافع حیرت انگیز طور پر بڑھتا چلا گیا۔

(۱۴) این آئی ٹی میں سرمایہ کاری نفع نقصان پر ہوتی ہے لیکن اس کی حوصلہ شکنی کی جا رہی ہے۔ این آئی ٹی اپنے حصہ داروں کے کل مجموعی سرمایہ پر ہر سال تاریخ مقررہ پر زکوٰۃ وضع کرتی ہے خواہ حصہ دار اپنے یونٹ بھنائیں یا نہ بھنائیں اس کے برعکس ڈیفنس سرٹیفکیٹ پر ہر سال سرمائے کی بنیاد پر زکوٰۃ وضع نہیں کی جاتی بلکہ زکوٰۃ اس وقت کاٹی جاتی ہے جب سرٹیفکیٹ بھنائے جاتے ہیں یا اس وقت جب سرٹیفکیٹ میں دی ہوئی مدت پوری ہو جائے۔ خواہ دو سے دس برس کا عرصہ گزر جائے مگر زکوٰۃ صرف ایک سال کی وضع کی جاتی ہے۔ اس صورت حال میں غیر سودی سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی اور سودی سرمایہ کاری کی خوب حوصلہ افزائی ہو رہی ہے۔

۱۵۔ بنکوں پی ایل ایس نفع و نقصان کھاتے کی تشہیر تو شرعی بنکاری کے طور پر کی جاتی مگر مارک اپ اور مارک ڈاؤن کا مروجہ طریقہ کار صریحاً سود ہے اسے درست کیا جانا ضروری ہے۔

۱۷۔ پی ایل ایس نظام کے تحت سرمایہ کو زیادہ تر مارک اپ اور ڈاؤن کے تحت استعمال کیا جا رہا ہے اگرچہ بظاہر بنکوں نے مختلف اداروں اور افراد سے شرکت کے معاہدے کرنا شروع کر دیئے ہیں لیکن ان میں متعدد شقیں غیر شرعی ہیں۔ کاروبار میں رقم کے لحاظ کی بجائے مدت کے لحاظ سے اجرت کی ادائیگی میں کمی بیشی کر کے اسے خالص سود بنا دیا گیا ہے۔ اضافہ کا نام مارک اپ اور کٹوتی کا نام مارک ڈاؤن رکھ دیا ہے۔

ہمارے معاشرے کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہے اس لئے نفع و نقصان کی حصہ داری کے ساتھ بیع موجل ملکیت کی کرایہ داری نیلام کاری اور پٹہ داری کے طریقے بھی انتہائی ضروری مواقع پر محدود پیمانے پر اختیار کئے جا سکتے ہیں یہ سود سے ضرور پاک ہیں لیکن بالآخر یہ سود کے لئے چور دروازوں کا کردار ادا کرتے ہیں۔ تاہم حکومت نے اس کا مارک اپ کے نام سے مستقل نظام قائم کر دیا جب کہ زیادہ المیہ یہ ہے کہ مارک اپ کا سسٹم جو بیع موجل کے نام سے تشکیل دیا گیا ہے ان شرائط سے خالی ہے جو بیع موجل کے لئے ضروری ہیں بعض شرائط حسب ذیل ہیں

(الف) مال پر بائع کا قبضہ ہو۔

(ب) قبضہ لینے سے پہلے مال فروخت نہ کیا جائے۔

(س) ادائیگی کی طے شدہ مدت میں تاخیر کی بجائے قیمت میں اضافہ کیا جائے۔

کہا گیا کہ بنک تجارتی اداروں کی طرح ہیں اور ان کے گوداموں میں عملاً مال موجود ہوتا ہے اس طرح وہ بیع موجل کا کاروبار کرنے کے مستحق ہیں حالانکہ بنکوں کی اصل حقیقت مالیاتی اداروں کی ہے تجارتی فرموں کی نہیں بعض اوقات ان کی تحویل میں مال ضرور ہوتا ہے لیکن ان کی تاجرانہ حیثیت نہیں بلکہ وہ مال بطور ضمانت ہوتا ہے کہ قرضہ کی واپسی کو یقینی بنایا جا سکے۔ دراصل بیع موجل وغیرہ کی سہولتیں چھوٹے اداروں اور خوردہ فروش کے لئے بحالت مجبوری دی جا سکتی ہیں جو باقاعدہ حساب کتاب رکھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ البتہ ان اداروں یا افراد کو جو صحیح طریقہ سے حسابات رکھنے کے اہل ہیں۔ اور جن کے کھاتے۔ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ آڈٹ کرتے ہیں نفع و نقصان کی حصہ داری پر رقم فراہم کی جائے۔

۱۸۔ مضاربت و مشارکت کی پہلی شرط یہ ہے کہ بنک کے گاہک کو بتایا جائے کہ اس کا سرمایہ کن کاموں میں دیا جا رہا ہے اور کن شرائط پر ہے اور منافع کس تناسب سے تقسیم ہو گا منافع کی

بیلنس شیٹ شائع نہیں ہوتی کہ اخراجات کتنے ہوئے اور منافع کیا ہوا۔ کم مدت کے لئے دی جانے والی رقم پر شرح منافع کم اور زیادہ مدت پر زیادہ شریعت کے منافی ہے۔

۱۹۔ جو منافع بلاسود کاؤنٹر سے لیا جاتا ہے اس کا کچھ حصہ بطور ریزروفنڈ کھاتے داروں کا حق ہے۔

۲۰۔ نفع و نقصان پر مبنی شرعی سرمایہ کاری کو کامیاب بنانے کیلئے ضروری ہے کہ انکم ٹیکس بالکل ختم کر دیا جائے اور یا پھر اتنا معمولی اور سہل رکھا جائے کہ کاروباری ادارے اپنے منافع کو چھپانے کے لئے جعلی حسابات نہ رکھیں۔ کیونکہ اس صورت میں بنک اپنے کاروبار میں ان سے حاصل ہونے والے اس منافع سے محروم ہو جائیں گے انکم ٹیکس کا نظام سہل اور معمولی رکھنے کے سبب بنکوں کو زیادہ منافع حاصل ہو گا جو کھاتہ داروں کو خوش حال بنائے گا۔ آخر انکم ٹیکس وغیرہ کا مقصد عوام کی خوش حالی ہی تو ہے لیکن سود کا رہنا اللہ سے جنگ ہے۔

۲۱۔ بنکوں کو یہ اختیار ہونا چاہئے کہ وہ جس کاروباری ادارہ کو رقم فراہم کریں اس کے حسابات کی آڈٹ کے لئے اپنے چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ بھی مقرر کر سکیں۔ ان دوہری آڈٹ سے چیک اینڈ بیلنس سسٹم قائم ہو گا اور بدعنوانی کا سدِباب ہو سکتا ہے۔

۲۲۔ بنکوں کے کاروبار پر اسٹیٹ بنک کا کنٹرول ہے اور اس کے لئے اسٹیٹ بنک ایک کونسل تشکیل کرے جس میں ممتاز علماء و ماہرین شامل ہوں اور وہ نظر رکھیں کہ سرمایہ جائز کاروبار میں لگایا جا رہا ہے اور اس میں کسی بھی قسم کا سود قمار اور غرر موجود نہیں ہے۔

یہ حقیقت ضرور ذہن نشین رہے کہ آج ہر ملک کی حکومت اس پر یقین نہیں رکھتی کہ بڑے مسائل کو سیدھے سادھے طریقہ پر حل کیا جاسکتا ہے ان کو یاد نہیں رہا کہ اللہ نے کائنات کے ہر نظام کو انتہائی سادہ مگر مربوط طریقہ پر بنایا ہے یہ تو انسانوں کی عادت ہے کہ سیدھے سادھے معاملوں کو انتہائی پیچیدہ مسائل بنا دیتے ہیں جب تک دقیق اور انتہائی فلسفیانہ انداز اختیار نہ کیا جائے رائے کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ الغرض جب ہم اپنے مسائل حل کرنے کے لئے پیچیدہ طریقہ کار اختیار کرتے ہیں تو یہ مسائل ہماری بساط سے باہر ہو جاتے ہیں اور یکے بعد دیگرے بحران پیدا ہوتے ہیں اور اجتماعی سماجی و سیاسی انتشار اور تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسلام ایک آسان اور عام فہم دین ہے جو بات

مفکر سینکڑوں صفحات میں کہے گا وہی بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سادہ مثالوں کے ذریعے چند الفاظ میں کہی ہے قرآن مجید نے تو مکھی اور چیونٹی جیسی مخلوق کی مثالوں سے ہدایات دی ہیں۔ غرض ہمارے سامنے مسئلہ کے حل کے لئے دو سوالات درپیش ہیں۔

(۱) نجی ضروریات پوری کرنے کے لئے قرضے جاری کرنے کا کیا طریقہ کار ہو ؟

(۲) لوگوں کی بچت اور سرمایہ کو سود کے بغیر کس طرح استعمال کیا جاسکتا ہے ؟ نجی ضرورت پوری کرنے کے لئے قرضہ کے سلسلے میں سوال یہ ہے کہ آخر فرد کو اس مقصد کے لئے قرضے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟

(الف) اس کے معاشی حالات اتنے خراب ہیں کہ وہ خود اپنے وسیلوں سے اپنی اور اپنے خاندان کی ضروریات پوری نہیں کر سکتا۔

(ب) اگرچہ ایک معقول و مناسب معیار کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے اسے وسائل حاصل ہیں تاہم فضول خرچی کے سبب اس کے اخراجات پورے نہیں ہوتے۔

(ج) اس کی عام ضروریات پوری ہونے کے لئے اس کے وسائل کافی ہیں لیکن ہنگامی مگر جائز ضرورت یا عام استعمال کا کچھ سامان خریدنے کے لئے اسے مزید رقم درکار ہے اور اپنی آمدنی سے وہ یہ رقم حاصل نہیں کر سکتا۔

جہاں تک فضول خرچی کا تعلق ہے اسلام اس کی مذمت کرتا ہے سود کی خرابیوں میں سے ایک خرابی یہ بھی ہے کہ فضول خرچی کے لئے قرضے مل جاتے ہیں اس کے سبب ہزاروں خاندان تباہ ہو گئے۔ جہاں تک پہلے معاملے کا تعلق ہے اصل مقصد ان حالات کو ختم کرنا ہے جن کی وجہ سے کسی شخص کو قرضے لینے پڑتے ہیں اسلامی معاشرہ میں عدل کا تقاضا ہے کہ ہر شخص کو اتنی اجرت ملنی چاہیئے کہ وہ اور اس کے لواحقین ایک مناسب معیار کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ بلاشبہ اجرت کا تعین کام سے ہونا چاہیئے مگر زندگی کا ایک کم از کم معیار مقرر کرنا ضروری ہے اگر محنت اور اجرت کا معیار مقرر کر دیا گیا تو ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق اجرت مل سکے گی اور اس طرح نجی ضروریات پوری

کرنے کے لئے قرضوں کی لعنت سے چھٹکارا مل جائے گا! اگر لوگوں کو اپنی بنیادی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے قرضہ لینا پڑتا ہے تو یہ سماجی اور اقتصادی نا انصافی کے مترادف ہے۔ اگر افراد کی اجرتیں مستقل طور پر کم سے کم سطح سے نیچی رہتی ہیں تو وہ کبھی بھی اپنے قرضے ادا نہیں کر سکیں گے۔ درحقیقت انہیں اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے ہر وقت نئے قرضے لینے ہوں گے اور اس طرح یہ مسئلہ کبھی حل نہیں ہو سکے گا۔

معاشرے کے اس طبقہ میں ایسے افراد بھی شامل ہو سکتے ہیں جو مستقل معذوری کی وجہ سے کام نہیں کر سکتے یا جو وقتی طور پر معذور ہو گئے ہیں۔ ایسے لوگوں کو قرضے کے سہارے زندگی گزارنے پر مجبور کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے یہ معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ ایسے لوگوں کی بنیادی ضروریات پوری کی جائیں زکوٰۃ و عشر کے نظام سے ان کی بنیادی ضرورتیں بخوبی پوری کی جا سکتی ہیں۔

جہاں تک تیسرے گروہ کے مسائل کا تعلق ہے ان کو ضرور قرضے فراہم کئے جائیں لیکن ان قرضوں پر سود وغیرہ وصول کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اسلامی معاشرے میں ہمیشہ قرض حسنہ کے ذریعہ ایسے افراد سے تعاون کیا گیا۔

ا۔ اب پیداوار بڑھانے کے لئے قرضوں کا معاملہ ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ منافع میں شرکت کی بنیاد پر اگر تاجروں وصنعت کاروں کو تمام مالی وسیلوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل جائے تو تجارت و کاروبار میں کئی گنا اضافہ ہو جائے گا۔ اس سے معیشت میں لوگوں کی مکمل شراکت میں اضافہ ہو گا اور کاروبار سے سود ختم ہو جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت اگر قرضوں پر سود کی رقم معاف کر دے تو اس سے حکومت کو کوئی نقصان نہ ہو گا کیونکہ عوام کی خوشحالی میں اضافہ سے سود کی تلافی ہو جائے گی اور حکومت کو مکانوں اور تجارت وصنعت وغیرہ پر ٹیکس کی صورت میں زیادہ رقم وصول ہو سکے گی۔

بنکوں کی کاروبار کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ وہ اپنے تمام سرمائے کو نفع بخش کمپنیوں کے حصص میں نہیں لگا سکتے۔ علاوہ ازیں چونکہ بنک ایک مقررہ شرح سے سود ادا کرتے ہیں اس لئے وہ ادا کی جانے والی رقم کی شرح سے کہیں زیادہ شرح سے منافع حاصل کرنا چاہتے ہیں بنکوں کا کاروبار محفوظ سود کے نظریہ پر چلایا جاتا ہے اور یہی آج مارک اپ سسٹم میں بھی جاری ہے۔ اس لئے بنک مقررہ

شرح سود پر تمسکات جاری کرنے یا تجارتی قرضے دینے پر مجبور ہیں۔ اس طرح بنکوں کو حقیقی طور پر تجارت یا صنعت میں حصہ لینے کا موقع نہیں ملتا بلکہ وہ محض عارضی طور پر رقم قرض دینے والے کی حیثیت رکھتے ہیں انہیں تجارت کے حقیقی منافع سے کوئی خاص غرض نہیں ان کا مقصد محض سود حاصل کرنا ہے۔ لہٰذا بنک میں اپنی بچت جمع کرنے والے افراد کے لئے منافع (سود) کی شرح بہت کم رہتی ہے اور سودی قرضوں سے حاصل ہونے والی پیداوار کی لاگت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے عام آدمی خواہ وہ بچت جمع کرنے والا ہو یا صارف اسے دونوں صورتوں میں نقصان ہوتا ہے۔ چنانچہ بنکوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ نفع و نقصان کی شرکت پر مبنی تجارت کے میدان میں آنے کی منظم منصوبہ بندی کریں۔

تنظیم

اس منصوبہ بندی میں اسٹیبلشمنٹ کا بنیادی کردار ہوتا ہے اگر تنظیم ایماندار ذہین تعلیم یافتہ اور تجربہ کار ہے تو تمام مسائل حل ہو جائیں گے وگرنہ سب کچھ چوپٹ ہو کر رہ جائے گا۔ لہٰذا افراد کی تقرری میرٹ اور صرف میرٹ کی بنیاد پر کی جائے۔ آج کل بغیر میرٹ کے بھرتی کے المناک نتائج سے سب آشنا ہیں اگرچہ میرٹ کی بنیاد پر تقرری کے قوانین ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں جھول ہے اور نقائص موجود ہیں۔ ماہرین کا کام ہے کہ وہ ان قوانین کو یا فول پروف (FOOL PROOF) بنائیں کہ ایک بھی تقرری میرٹ کے بغیر نہ ہو سکے۔

سورہ نساء کی ۵۸ آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہو چکا ہے۔

"اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں اہل امانت کے حوالے کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ اللہ تم کو بہت خوب نصیحت کرتا ہے بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے۔

(مولانا ارشاد الحق تھانوی)

اسلامی معیشت کے لئے انقلابی تجاویز

زراعت و صنعت

نئی منتخب حکومت کو سب سے بڑا چیلنج سنگین معاشی بحران سے نمٹنا ہے اور اس میں کامیابی روایتی اقدامات کی بجائے اسلام کے معاشی نظام کے تابع زراعت و صنعت میں چند جرأت مندانہ انقلابی حکمت عملی اختیار کئے بغیر ممکن نہیں ہو سکتی۔ اسلام کا نظریہ معیشت کے ہر شعبہ میں ایسے دینی و دنیاوی ذرائع و وسائل کو بروئے کار لانا ہے جن سے معاشرہ عمل و احسان پر مبنی معاشی ترقی و خوشحالی سے ہمکنار ہو جائے۔ فرمان الٰہی ہے:

«ان اللہ یا مر با لعدل والا حسان»

(اللہ تم کو عدل و احسان کا رویہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے)

عدل و احسان، رزق و روزی میں حلال و حرام کی پابندی، معاملات میں دیانتداری، بدعنوانیوں، رشوت، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی اور فریب وغیرہ کے سلسلہ میں قرآن و حدیث کے احکامات نہ صرف صدیوں سے ابلاغ عامہ، مساجد اور مختلف اجتماعات میں بار بار دہرائے جاتے رہے ہیں بلکہ ان کی روشنی میں قانون سازی بھی ہوئی ہے۔ تاہم ہمارے ملک میں ان کے مطلوبہ نتائج بر آمد تو کیا ہوتے، صورت حال روز بروز ابتر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ظلم و زیادتی، نفسا نفسی، حرام رزق، غربت، حرام روزی اور تمام بدعنوانیوں کا شرمناک حد تک بازار گرم ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے اور آخر اس کا کیا حل ہے؟ ہمارے بعض فاضل صاحبان گذشتہ ۲۳ برس سے اس کے حل کے لئے سرسری طور پر ان الفاظ پر اکتفا کرتے ہیں کہ بس اسلامی نظام نافذ کر دو تو سارے مسائل حل ہو جائیں گے لیکن کوئی بھی اس ضمن میں بجز اسلامی عدل و احسان کے درس اور زیادہ سے زیادہ سزاؤں کے قوانین سے آگے پیشقدمی نہ کر سکا۔

دراصل سائنس و ٹیکنالوجی نے کرہ ارض کو سکیٹر کر ایک ایسے شہر میں تبدیل کر دیا ہے جس میں ترقی یافتہ، ترقی پذیر اور پسماندہ غرض تمام ممالک محلوں کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ ترقی یافتہ علاقوں میں ایڈوانس ٹیکنالوجی کے ذریعہ معاشی ترقی و خوشحالی اور اعلیٰ معیار زندگی میں بڑی تیزی کے ساتھ حیرت انگیز اضافہ ہوا ہے۔ جب دولت کی بہتات ہوتی ہے اور پھر جو خوف خدا اور عقیدہ آخرت پر یقین نہیں رکھتے تو وہاں منطقی طور پر زندگی کو رنگین اور پُر کشش بنانے کے لئے نت نئے اور جائز ناجائز لوازمات تیار کیے جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں پڑوس کا محلّہ خواہ وہ کتنا ہی پسماندہ کیوں نہ ہو، اس پر قربت کا اثر لازمی طور پر ہوتا ہے۔ امیر ممالک تو ایڈوانس ٹیکنالوجی کے ذریعہ معاشی پیداوار کے اضافہ کی دوڑ میں برابر منہمک ہیں اور چنانچہ وہاں تعیّشات اور غیر پیداواری اخراجات نے معیشت اور معاشرے میں تباہی نہیں مچائی لیکن پاکستان جیسے ممالک کا معاشی اور اخلاقی دیوالیہ نکل گیا۔ بلاشبہ جرائم، بدعنوانیوں اور تعیّشات سے پیچھا چھڑانے کے لئے تبلیغ کی لازمی جدوجہد جاری رہے لیکن جہاں این خانہ ہمہ آفتاب است ہو گھر گھر اور جھونپڑیوں میں مغرب کی تیز رفتار روشنیاں جڑ پکڑ چکی ہوں اور آمدنی سے زیادہ اخراجات ضروریات زندگی کا اٹوٹ حصہ بن چکے ہوں وہاں اس محاذ پر صرف زیر استعمال وسائل کے موجودہ طریقہ کار اور پندونصائح سے کسی کامیابی کی توقع کرنا قطعی نادانی ہوگی۔

رب کریم نے سورۃ جاثیہ میں غیر مبہم الفاظ میں فرمان صادر کیا ہے

"اور اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور اس بات میں اس گروہ کے لئے جو غور فکر کرتا ہے بہت سی نشانیاں ہیں۔"

اگر آج ہم تغیر کائنات کی جانب کماحقہ توجہ دینے سے غافل ہیں تو درحقیقت یہ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کا اظہار ہے۔ اسی پاداش میں آج مسلم امہ قوت، خوشحالی اور امن و سلامتی سے محروم ہے۔ جب کہ غیر مسلم طاقتیں تغیر کائنات کی کوششوں کے ذریعہ خوشحال اور غالب ہیں۔ دراصل تغیر کائنات کے علوم محافظ ہیں تاکہ یادخداوندی کا یہ کارخانہ خلل اور ذلل سے محفوظ رہے اور دنیا میں کسی فتنہ پرداز کو اس نظام حق میں رخنہ ڈالنے کی جرأت نہ ہو جبکہ دین کا مقصد یہ ہے کہ تغیر کائنات کے عزائم کو ایسی راہ پر لگایا جائے جو قلب کو ایمان کی ضوفشانیوں سے منور کرے، سیرت و کردار کو حسن اخلاق سے سنوارے اور ایک ایسا صحت مند معاشرہ تعمیر کرے جو عدل و مساوات، اتحاد، اخوت، خوشحالی اور ہمدردی بنی نوع انسان کے اعلیٰ وارفع جذبات سے سرشار ہو۔

غرض ہمارے بنیادی مسائل یہ ہیں۔

(۱) زیر استعمال وسائل کی پیداوار میں اضافہ

(۲) نئے وسائل کی تلاش

(۳) اسلامی تعلیمات کے مطابق ہر شہری کو روزگار اور بنیادی ضروریات فراہم کرنا۔

ابتدا سے ہماری حکومتوں نے پیداوار کے اضافہ اور نئے وسائل کے سلسلہ میں ترقی یافتہ ممالک سے قرضے اور امداد حاصل کرنے کی پالیسی اختیار کی۔ ہمارے حکمران اور بیورو کریسی زراعت اور صنعت و تجارت کی جدید سائنسی تکنیک سے واقف نہ تھے۔ انہوں نے راتوں رات لکھ پتی بن جانے کے لئے سطحی اور آسان منصوبہ سازی کو پیش نظر رکھا۔ بلاشبہ ساٹھ کے عشرے میں بڑی تیزی کے ساتھ کارخانوں پہ کارخانے قائم ہوتے چلے گئے لیکن اوّل توان کی اجارہ داری صرف ۲۲ خاندانوں تک محدود ہو کر رہ گئی تھی اور ثانیاً انھوں نے طویل محنت اور طویل المیعاد منافع کے انتظار سے بچنے کے لئے ہماری معیشت کی حقیقی بنیاد زراعت اور اساسی صنعت سازی کو قطعی نظر انداز کر دیا۔ انھوں نے تعیّشات اور روزمرہ کی ملکی مصنوعات وغیرہ کے کارخانوں پر اس لئے بھی زیادہ توجہ مرکوز رکھی کہ وہ ایک کارخانہ لگانے کے تین برس بعد اسکے منافع سے دوسرا کارخانہ قائم ہو جاتا تھا۔ قوم کا سرمایہ بنکوں میں جمع تھا جو گویا انہی صنعتکاروں کی نجی ملکیت تھے۔ لہٰذا بڑی لاپرواہی سے قوم کا سرمایہ غیر صحت مندانہ منصوبوں پر لگا دیا گیا اس غلط پالیسی کے منطقی معاشی اثرات مرتب ہونے لگے اور پورا ملک اقتصادی' سیاسی اور معاشرتی خلفشار میں مبتلا ہو گیا لیکن ستر کی دہائی میں اس پر قابو پانے کے لئے قطعی منطقی منفی رد عمل کا مظاہرہ ہوا۔ اصل مرض پر سرے سے توجہ ہی نہیں دی گئی اور کارخانے نجی ملکیت سے نکال کر بیورو کریسی کے سپرد کر دیئے گئے۔ پہلے یہ تو تھا کہ صنعتکار ذاتی فائدے کی خاطر اچھے برے کارخانوں کو اپنا سمجھ کر ان کی پیداوار میں پیش از پیش اضافہ کرنے کی شب و روز محنت کرتے تھے اور اس طرح ہزاروں کو روزگار ملنے لگا تھا لیکن بیورو کریسی نہ تو صنعتی فن سے واقف تھی اور نہ ہی وہ کارخانوں کے مالک تھے اس لئے کارخانے قائم ہونے کی رفتار ٹھپ ہو گئی اور قومی ملکیت میں لی گئی صنعتوں کا بدعنوانیوں اور لاپرواہی کے سبب دیوالیہ نکلنے لگا۔ زراعت حسب سابق نظر انداز کی گئی۔ البتہ اسی کی دہائی میں ساٹھ اور ستر کی دہائیوں کی مذکورہ غلطیوں کی تلافی کی بہت کوشش کی گئی لیکن تیز رفتار عالمی ترقیوں اور اندرونی پیچیدگیوں کے سبب ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

موجودہ نوے کی دہائی میں ایک حقیقت ابھر کر سامنے آئی ہے کہ زراعت و صنعت میں ترقی ہی ہماری خوشحالی کی ضمانت ہو سکتی ہے۔ تاہم مسئلہ یہ ہے کہ ہم اس سکڑتی ہوئی دنیا میں ترقی یافتہ ممالک

کی نسبت ایڈوانس ٹیکنالوجی میں تقریباً پچاس برس پیچھے ہیں اور اس ٹیکنالوجی کو استعمال کئے بغیر موجودہ طریق کار کچھوے کی چال ہے جس سے پیداوار میں نہ تو قابل ذکر اضافہ ممکن ہے بلکہ اخراجات اور ضروریات چوگنی بڑھتی چلی جارہی ہیں اس چیلنج کا مقابلہ کرنے میں ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک ایڈوانس ٹیکنالوجی منتقل کرنے کے لئے قطعی آمادہ نہیں ہیں اور وہ صرف سود خور ساہوکاروں کی مانند سرمایہ فراہم کرتے ہیں ظاہر ہے جب ہم اپنی ناقص ٹیکنالوجی سے ان کے قرضوں کو استعمال کرتے ہیں تو ہمارے منصوبوں کی ناکامی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ سود تک کی ادائیگی کے لئے نئے قرضے لیتے ہیں۔ ایک ماہر معاشیات سابق وزیر خزانہ جناب محبوب الحق نے اپنے دور حکومت میں برملا اعتراف کیا تھا کہ ہر سال اربوں کھربوں روپیہ' بدعنوانی اور نا اہلی میں ضائع ہو رہا ہے۔ ان کے الفاظ تھے کہ صرف رشوت کی مد میں اسّی ارب سالانہ نوکر شاہی ہڑپ کر جاتی ہے اس صورت حال کا واحد علاج حسب ذیل ہے۔

ترقی یافتہ ممالک میں جاپان اور جرمنی وغیرہ ایسے ہیں جہاں کثیر سرمایہ اور ایڈوانس ٹیکنالوجی ہے لیکن اب ان کے لئے ان کی زمین بہت ہی چھوٹی اور ناکافی ہو چکی ہے' میں نے اپنے ایک عزیز کے ذریعہ رابطے کئے اور تحقیق کے بعد ایک بہترین حل سامنے آیا۔ اس کے ممکن العمل ہونے کے لئے کسی بحث و مکالمہ اور ثبوت کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ یہ تو بالکل سامنے کی بات نظر آتی ہے جس طرح ہم بڑے بڑے ڈیم وغیرہ غیر ملکی کمپنیوں سے تعمیر کراتے ہیں اسی طرح غیر ممالک سے قرضے لینے کی بجائے زراعت و صنعت کے تین چار شعبوں میں ترقیاتی کام جاپان وغیرہ جیسے ممالک کو ٹھیکوں پر دیئے جائیں۔ مثلاً ایک جاپانی فرم نے اپنی ٹیکنالوجی کے ذریعہ حساب لگا کر بتایا کہ اگر انکو پاکستان جیسے وسیع اور بڑی آبادی والے رقبہ میں ریلوے ٹرانسپورٹ کا ٹھیکہ دیا جائے تو نہ صرف پورے ملک کے دور دراز علاقوں میں ٹرانسپورٹ کا جدید ترین جال بچھا دیں گے بلکہ ان کی جانب سے منافع میں حکومت پاکستان کو سالانہ اتنی رقم فراہم کی جاتی رہے گی جو اسے اپنے کئی ٹیکسوں سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح واپڈا کو ٹھیکہ پر چلانے میں پورے ملک میں جدید ٹیکنیک سے بجلی فراہم کر دی جائے گی اور اس میں بھی منافع کے تحت جو سالانہ رقم حکومت کے لئے ہو گی وہ پاکستان کے بجٹ کے ایک بڑے حصہ کے برابر ہو گی۔ زراعت میں سبز انقلاب برپا ہونے کا منصوبہ بھی انہی خطوط پر تیار کیا جاسکتا ہے۔ اس کی اجمالی تفصیل بعد میں پیش کی گئی ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ ہماری کوشش تو یہ ہے کہ اپنے پیروں پر خود کھڑے ہوں جبکہ مذکورہ تجویز سے غیر ملکیوں کا عمل دخل بہت بڑھ جائے گا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مجوزہ منصوبے کاروبار و تجارت کی حیثیت کے حامل ہیں اور قرضے دینے اور لینے والوں کا معاملہ نہیں ہو گا ثانیاً یہ کہ ہم آج بڑی طاقتوں کے اربوں ڈالر کے مقروض ہیں اور ان کے زیر اثر ہیں جس سے نکلنے کے لئے ہمارا موجودہ طریقہ کار قطعی ناکافی اور ناکام ہے۔ ہماری کوشش یہ ہو کہ سپر پاور کو ٹھیکے نہ دیئے جائیں اور جہاں تک جاپان وغیرہ کی کمپنیوں کا تعلق ہے وہ بیشک ہمارے حرام و حلال کے تو پابند نہیں ہیں (افسوس ہم میں سے بہت یہی اختیار کئے ہوئے ہیں) لیکن وہ ہماری طرح غبن' کام چوری' بدعنوانی' رشوت اور غیر شائستگی وغیرہ میں ملوث نہیں نظر آتے' صرف مینجمنٹ میں غیر ملکی ماہرین درکار ہوں گے اور باقی تو اپنے ملک کی افرادی قوت ہی استعمال ہو گی۔ صرف تین چار بنیادی شعبے ٹھیکے پر دے کر دس پندرہ برس کے اندر بھرپور معاشی ترقی و خوشحالی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں اور بیرونی قرضوں اور دباؤ سے نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں مجوزہ منصوبوں سے سالانہ حاصل ہونے والی آمدنی کے باعث ملک میں جو ٹیکسوں کی بھرمار ہے اس کو پہلے مرحلہ پر نصف اور بعد میں مزید تخفیف ہو سکتی ہے۔ مزید بر آں موجودہ حکومت نے اسلام کی آزاد معیشت اور پورے ملک میں نئی صنعت سازی کو ٹیکس ہالیڈے دے کر جس جرأت مندانہ پالیسی کا اعلان کیا ہے اس کی کامیابی اور استحکام میں مؤثر توانائی میرے مجوزہ منصوبوں سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

دراصل ہمارے معاشرے کی موجودہ اخلاقی حالت اس حد تک بگڑ چکی ہے کہ کیا حکمران' کیا بیوروکریسی' کیا صنعت کار اور کیا عام آدمی سب ملوث ہیں۔ لہٰذا جاپان وغیرہ جیسے ماہرین کو ٹھیکے پر دینے کی مخالفت ہو گی کیونکہ بدعنوانیوں کے مواقع ختم ہو جائیں گے' پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کے ایک سابق چیئرمین اور سابق ممتاز وفاقی سیکرٹری ڈاکٹر عثمانی کا حال میں ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں انھوں نے انکشاف کیا کہ ریٹائر ہونے کے بعد وہ بیرون ملک کئی برس تک معاشی ترقی کے اسباب کا جائزہ لیتے رہے۔ انہوں نے واپس آ کر حکومت پاکستان کو دودھ' گائے بھینس اور بجلی کی فراہمی کے سلسلہ میں چند حیرت انگیز مگر جدید ترین ٹیکنالوجی کے مطابق منصوبے پیش کئے' ان سے پاکستان بڑی خوشحالی سے ہمکنار ہو سکتا تھا مگر بقول ڈاکٹر عثمانی بیوروکریسی وغیرہ نے منصوبوں کا مذاق اڑایا اور ان کے منصوبے فائل کر دیئے گئے ڈاکٹر عثمانی نے لاکھ سمجھایا کہ یہ ان کے تخیلاتی منصوبے نہیں ہیں بلکہ ان پر ناروے' سویڈن کنیڈا اور امریکہ میں عملدر آمد ہو رہا ہے اور معاشی ترقی و خوشحالی میں مؤثر

کامیاب عوامل ثابت ہوئے ہیں۔

بہرحال ایسے اہل کاروں کو سمجھایا جائے کہ اگر وہ دس برس ہی صبر کر کے میری مذکورہ تجاویز پر عمل پیرا رہیں تو ان کے موجودہ اخراجات جائز آمدنی سے ہی پورے ہو جائیں گے اور ملک و قوم کا مستقبل محفوظ ہو جائے گا مگر نہ ملک سے بدعنوانی' غربت' احساس محرومی اور انتشار کا خاتمہ ناممکن ہے جو صرف پیداوار اور وسائل میں اضافہ سے ممکن ہے اور یہ اضافہ موجودہ سپر سانک دور میں ہمارے جیسے غریب ملک میں صرف ایڈوانس ٹیکنالوجی سے حاصل ہو سکتا ہے جو نہ تو ہمارے پاس ہے اور نہ ہی کوئی ہم کو منتقل کرنے کے لئے تیار ہے۔ ہمارے تمام تعلیمی' سیاسی' معاشی' اخلاقی اور معاشرتی اصلاحات و اقدامات کی کامیابی کا دارومدار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا لائحہ عمل اختیار کرنے پر ہے جس کے مطابق انہوں نے ایمان کے بعد ترجیح اس امر پر مرکوز رکھی کہ معاشرہ اپنے زیر استعمال وسائل کے ذریعہ دکھ سکھ میں برابر کا شریک ہو اور نئے وسائل کی تلاش کے لئے کوئی بھی جائز گوشہ نہ چھوڑا جائے۔

ہمارا ملک بنیادی طور پر زرعی ہے اور ہماری آبادی کے پچھتّر فیصد سے زائد کھیتوں میں کام کرتا ہے امریکہ جو بنیادی طور پر ایک صنعتی ملک ہے اور وہاں آبادی کا صرف پندرہ فیصد حصہ کاشت کرتا ہے لیکن دنیا کے بیشتر ممالک کو غلہ سپلائی کرتا ہے جبکہ ہم ۴۳ سال کی آزادی اور بڑے بڑے منصوبوں کے دعووں کے باوجود زر مبادلہ ادا کر کے غذائی اجناس در آمد کرتے رہے ہیں۔ ہم زرعی ترقی کے ذریعہ ہی بیرونی امداد کے تمام بندھنوں سے آزادی حاصل کر سکتے ہیں۔ جاپان کا ارضی رقبہ ہمارے ملک کے رقبے سے بھی کم ہے اور اس رقبہ کا بھی ۸۵ فیصد حصہ آتش فشاں پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے' اس قدر محدود ارضی وسائل کے باوجود جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے وہ غلہ بر آمد کرتا ہے اور ہماری آبادی کے تقریباً مساوی آبادی کی غذائی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ اس کی معاشی ترقی کی جڑیں زرعی ترقی میں پیوست ہیں۔ جاپان کی صنعتی ترقی نے زراعت کی بیخ کنی نہیں کی بلکہ اس کو تقویت عطا کی ہے۔

اہل جاپان کی ٹیم کئی بار جب بھی پاکستان کا دورہ کرتی ہیں تو ان کا ایک ہی سوال ہوتا ہے کہ آپ کے ہاں اتنی ساری زمین ہے اگر آپ توجہ دیں تو جاپان سے زیادہ خوشحال ہو جائیں گے اسی طرح ہالینڈ اور ڈنمارک کی معیشت بھی زراعت پر مبنی ہے اور ان کے عوام اعلیٰ معیار زندگی کے حامل ہیں۔

ترقی یافتہ ٹیکنالوجی کے اس دور میں کوئی زمین بنجر نہیں ہے حتیٰ کہ ریگستان بھی نہیں۔ دنیا میں ریگستان گلستانوں میں تبدیل کئے جا رہے ہیں اور ہمارے ملک میں گلستان ریگستانوں میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے

(۱) ملک کی قابل کاشت زمین کا کوئی حصہ بھی بغیر کاشت کے نہ چھوڑا جائے۔

(۲) حکومت کی طرف سے مباح الاصل زمین غریب کاشتکاروں کو بلاقیمت دی جائے اور ایسی زمینوں کو آباد کرنے کے لئے پانی بہم پہنچانے، زرعی آلات، کھاد اور بیج وغیرہ کا معقول انتظام کیا جائے اور مزید سہولت کے طویل المیعاد بلاسود قرض بھی دیا جائے اگر تین سال کے اندر ایسی زمینوں کو آباد کر لیا گیا تو حاصل کرنے والے کی ملکیت ثابت ہو جائے گی۔ ورنہ تین سال کے بعد ایسی زمینیں واپس لے کر کسی دوسرے مستحق کو دے دی جائے۔ مسلم اور احمد کی حدیث ہے کہ اگر کسی کے پاس زمین ہو تو وہ خود اس میں کاشت کرے یا اپنے بھائی کو کھیتی باڑی کرنے دے یا پھر زمین چھوڑ دے۔ کتاب الخراج میں حدیث نبویؐ ہے عادی الارض لله ولر سوله ثم لکم من بعد فمن احیا ارضاً میتاً فھی له ولیس لمحتحذ حق بعد ثلاث سنین (افتادہ زمینیں اللہ اور اس کے رسول کی ملک ہیں۔ اس کے بعد وہ تمہاری ہیں۔ چنانچہ جو شخص بھی کسی افتادہ زمین کو کار آمد بنالے وہ اس کی ہو جائے گی ورنہ تین سال کے بعد غیر آباد زمین پر اس کا حق ملکیت زائل ہو جائے گا۔)

(۳) زمینوں کے سودی رہن کے تمام طریقوں کو ختم کر دیا جائے اور جو زمینیں اس وقت ناجائز طریقوں سے زیر بار ہیں ان سب کو چھڑا کر چونکہ وہ شرعاً رہن نہیں اس کے اصل مالکوں کی طرف لوٹا دیا جائے۔ اس عرصہ میں قرض خواہوں نے رہن شدہ زمین سے جو نفع اٹھایا ہے اس کا کرایہ ان کے ذمہ واجب ہے۔ اس کرایہ کو قرض میں محسوب کیا جائے۔ اگر کرایہ کی رقم قرض سے زیادہ ہو تو وہ وصول کر کے قرض دار کو دلوائی جائے گی اور اگر قرضہ باقی ہو تو قرض خواہ کو دلوایا جائے گا۔

(۴) ایسے قوانین کو ختم کیا جائے جن کی رو سے زرعی زمینوں پر بنی ہوئی مساجد، قبرستان اور وقف شدہ دینی اداروں سے کسی بھی شکل میں لگان وصول کیا جاتا ہو۔

(۵) جاپان، ہالینڈ، ڈنمارک وغیرہ کی جدید ترین ٹیکنالوجی کو اختیار کیا جائے جس سے پیداوار میں چوگنا اضافہ ہو سکتا ہے۔ غرض "زیادہ غلہ اگاؤ" کی منصوبہ بندی جنگ کی منصوبہ بندی کی طرح قومی ہنگامی بنیاد پر کی جائے۔

(۶) بٹائی کے معاملہ میں کاشتکاروں کو مالکان زمین کے ظلم سے بچانے کے لئے ان تمام ناجائز شرائط کو قانوناً ممنوع قرار دیا جائے جو زمیندار قولی یا عملی طور پر کاشتکاروں پر عائد کرتے ہیں پیداوار کے مقررہ حصہ کے علاوہ کوئی حق کاشتکار کا مالک زمین پر یا مالک زمین کا کاشتکار پر نہیں ہو گا۔ ضرورت سمجھی گئی تو بٹائی کی مناسب شرح بھی مقرر کر دی جائے۔

(۷) زرعی امداد باہمی کی تحریک میں ایسی مشترکہ کاشت کو فروغ دیا جائے جس میں کھاد بیج اور الات وغیرہ کی بلاسود فراہمی انجمن کے ماتحت ہو۔

(۸) ملک میں زکوٰۃ و عشر کا نظام جو مذہبی طور پر فرض ہے شرعی طریقہ سے منظّم کیا جائے یعنی کل پیداوار پر عشر وصول ہو اور تمام اموال و مصنوعات تجارت پر بھی لازمی طور پر زکوٰۃ لی جائے۔ عشر اور زکوٰۃ ادا کرنے والے انکم ٹیکس اور آبیانہ وغیرہ سے مستثنیٰ قرار دیئے جائیں یا معمولی شرح مقرر ہو۔ ایک تحقیق کے مطابق عشر کی مد میں صرف چند کروڑ وصول ہوتے ہیں جبکہ فرض عبادت کی ادائیگی کے مطابق پیداوار پر عشر کی کٹوتی کی گئی تو رقم پانچ سے دس ارب تک ہو جائے گی اور اسی طرح زکوٰۃ میں کئی ارب کا اضافہ ہو گا جس طرح انکم ٹیکس کا محکمہ اثاثوں وغیرہ کا اندازہ لگا کر ٹیکس عائد کرتا ہے اسی طرح عشر اور اموال تجارت کی وصولیابی کا انتظام بھی اسی محکمہ کے سپرد ہو گا۔ ٹیکس میں تخفیف یا خاتمہ کے باعث اور دینی فریضہ سمجھتے ہوئے زکوٰۃ و عشر کی پوری واجب رقم ادا کی جائے گی اور اسی طرح وصول کرنے والے سرکاری اہلکاروں کا بھی انقلابی اقدامات کے نتیجہ میں ہونے والی معاشی خوشحالی میں شریک ہونے کے باعث اور دینی فریضہ سمجھتے ہوئے بدعنوانیوں میں ملوث ہونے کا امکان ختم ہو جائے گا۔ غرض زکوٰۃ و عشر کی اربوں روپوں کی رقوم سے غربت، جہالت اور بیروزگاری ختم ہو سکتی ہے۔

(۹) نفقات کے بارے میں اسلامی قانون کا مکمل طور پر نافذ کیا جائے اور جن یتیموں، بیواؤں بیماروں، معذوروں اور حقیقی ضرورتمندوں کی کفالت شریعت کی رو سے ان کے رشتہ داروں کے ذمہ ہے ان کے رشتہ داروں کو ان کی کفالت پر مجبور کیا جائے اور اگر رشتہ داروں میں اس کی کفالت کی استطاعت نہیں یا کوئی ولی ہی موجود نہیں تو سرکاری بیت المال سے اس کی کفالت کی جائے۔

(۱۰) زرعی و صنعتی ترقی کا جائزہ لینے کے لئے کونسل کے وفود جاپان، جرمنی اور کنیڈا وغیرہ کے ممالک بھیجے جائیں۔

اسلامی تعلیمات اور اجارہ

مولانا محمد اطہر نعیمی
رکن اسلامی نظریاتی کونسل

اسلامی معاشرہ میں نظام معیشت کی نوعیت یا حیثیت کا تعین اسلامی نظریہ حیات ہی کی روشنی میں ممکن ہے اور یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اسلامی نظریہ حیات خالق کائنات اور محسن انسانیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و تعلیمات میں منحصر اور انہیں پر مدون ہے لہٰذا اسلامی نظام معیشت کی نوعیت بھی انہیں تعلیمات اور اسلام کے فلسفہ اخلاق کی رہین منت ہے۔ اسلامی نظریہ حیات اور فلسفہ اخلاق کا مقصد اوّلین عصبیت کو ختم کرنا ہے۔ اس نظریہ حیات میں رنگ و نسل علاقائی و جغرافیائی حد بندیوں کی گنجائش نہیں، یہ فلسفہ اخلاق لسانی درجہ بندیوں اور اسکے فرق کی یکسر نفی کرتا ہے۔ اس لئے اسلام کے معاشی نظام یا کسب معاش کے طرق و ذرائع میں قبیلہ یا طبقہ کو فوقیت یا PRIVILEGE حاصل نہیں بلکہ اسکے بر خلاف اسلام نے تمام بنی نوع انسان کو دنیا کی نعمتوں سے استفادہ کا حق دیا ہے۔

اسلام نے انسان کے عمل کی تخصیص کے ساتھ ساتھ کسب معاش کے سلسلہ میں حد بندی کی ہے جسکی بنیاد شرف انسانی اور مابعد طبیعات تصورات پر قائم کی ہے اسکو باندازِ دیگر یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی معاشرہ میں کسب معاش کے بنیادی اصول احکام الٰہی اور فرمودات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہیں جو ابتداء سے قیام قیامت تک کے لئے نا قابل ترمیم و تنسیخ ہیں۔

اسلام نے انسان کو اشرف المخلوقات کے منصب پر فائز فرما کر "ولقد کرمنا بنی آدم" کرامت کا تاج اسکے زیب سر فرمایا اور اسکو اس انعام کرامت سے سرفراز فرمایا اور اسکی زندگی کا طرہ امتیاز "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" قرار دیا اور یہ تعلیم کی حد تک نہیں بلکہ بندہ کو مامور کیا گیا کہ اگر خطہ زمین پر اقتدار و اختیار حاصل ہو تو بندہ مومن کا فریضہ یہ ہو گا کہ وہ اقامت صلوٰۃ و ادائے زکوٰۃ میں غفلت نہ کریں جسکا اشارہ سورہ حج کی آیت ۴۰ میں کہا گیا ہے۔

حیات انسان کیلئے سبب الاسباب نے عالم اسباب میں معاش کو ایک سبب قرار دیا اور اس سبب کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے مربوط کیا یا آئینہ دار ٹھرایا اور کتاب ہدایت میں متعدد مقامات پر اسکی تعلیم دی اس سلسلہ میں محسن انسانیت علیہ وسلم کے اقوال و اعمال عالم انسانیت کے لئے عموماً اور ملت مسلمہ کے لئے خصوصاً رہبری اور دستگیری کرتے ہیں۔

اسلام نے کسب معاش کے لئے جو بنیادی اصول متعین کئے اور بندوں کو اسکا پابند کیا وہ کسب کا حلال اور طیب ہوتا ہے اس نے اسلامی تعلیمات کے مطابق رزق کے حلال ہونے کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ آسانی کے لئے بہت سی چیزوں کی تخصیص کی گئی تاکہ حلال و حرام ممیز و ممتاز ہو جائیں۔

ذریعہ حصول پیشہ PROFESSION کے مناسب اور غیر مناسب جائز و ناجائز ہونے کے لئے شرائط وضع کر دیئے گئے جسکی تائید سورہ مائدہ ۱۲ سے ہوتی ہے (جس میں رب کریم نے فرمایا "یقیناً اللہ تعالیٰ نے نبی اسرائیل سے پختہ وعدہ لیا اور ان میں سے بارہ نقیب مقرر فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے ان (نبی اسرائیل) سے فرمایا میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم ٹھیک طریقہ پر نماز ادا کرتے رہے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے اور میرے رسولوں پر ایمان لا کر ان کی مدد کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیتے رہے تو میں ضرور تم سے تمہارے گناہ دور کر کے تمہیں اس جنت میں داخل کروں گا جس میں نہریں جاری ہیں اور جس نے اسکے بعد کفر کیا (نافرمانی کی) وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا)۔

یہاں یہ عرض کرنا بر محل ہو گا کہ اسلام نے معاشرت، معیشت اور انسانی اقدار کے ہر مرحلہ پر اخلاقیات کو بنیادی حیثیت دی ہے، چنانچہ اسلامی نظام معیشت میں عقیدہ اور اخلاقی اقدار کے تحت افراد کے لئے کسب معاش کے لئے ضابطے اور طریقے مقرر فرمائے امور حصول معاش کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے شتر بے مہار کی طرح نہیں چھوڑا بلکہ ضبط و نظام کا پابند کیا تاکہ جسم اور روح دونوں کی پاکیزگی باقی رہے اور حلال و طیب کے اصول باقی رہیں۔ جب معاشرتی قدریں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے جذبہ سے عاری ہو جاتی ہیں تو معاشرہ تباہی و بربادی کی جانب جانے لگتا ہے خلال و حرام پاکیزہ و طیب کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے اور یہی شرف انسانیت کے زوال کا باعث ہوتا ہے۔

موجودہ دور جو ترقیاتی (سائنس اور ٹیکنالوجی کا) دور کہا جاتا ہے اور ہر چیز کو جدیدیت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا ہے اس میں معاشیات کو بھی جدید و قدیم میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور جدید معاشیات میں حصول رزق کو حصول دولت کہا جاتا ہے۔ اسلامی معاشیات ہوں یا جدید انداز حصول رزق کے وہی اصول ہیں۔ کیا پیدا کیا جائے۔ کس طرح پیدا کیا جائے اور کس شے کو پیدا کیا جائے لیکن توجہ طلب بات یہ ہے کہ اسلامی معاشیات نے حرام و ناپاک چیزوں کے تعین کے بعد حصول رزق کی عام اجازت دی ہے۔

کس طرح پیدا کیا جائے کے سلسلہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مسئلہ انفرادی ہے اور اس بارے میں یہ کہنا کافی ہو گا کہ رزق کا حصول جائز طریقوں پر ہو۔ خواہ یہ انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی طور پر البتہ اگر حکومت اسلامی ہو تو اسکا فرض یہ ہے کہ وہ معاشرہ میں عدل و انصاف قائم کرے تاکہ کوئی شخص حصول رزق سے محروم نہ رہے۔

جہاں تک کس لئے پیدا کیا جانے کا معاملہ ہے تو اس سلسلہ میں اگر کوئی شخص جائز طریقوں پر اپنی ضروریات سے زائد حاصل کرتا ہے تو اس صورت میں اس پر پابندی نہیں۔ اسلام کے نظام معیشت میں درجات کی بھی کوئی حیثیت و اہمیت ہے البتہ حق معیشت یا ذرائع معیشت ایک ہی طرح کے ہوں لیکن اہمیت اس بات کی ہے کہ حصول رزق کے اسباب سب کے لئے ہوں سورہ زخرف ۳۲ میں رب کریم نے فرمایا ان کے درمیان سامان زیست کو دنیاوی زندگی میں ہم نے خود تقسیم کیا ہے اور مراتب (درجات) میں بعض کو بعض پر ہم نے بلند کیا تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔

رب کریم کی عطائیں گوناگوں مصلحتیں اور حکمتیں ہیں کس کو انعام و کرام سے نواز کر غنی کر دیا کسی کو استقامت کے مظاہرہ کے لئے فقر میں مبتلا کر دیا کوئی جسمانی صحت و تندرستی سے سرفراز ہوا تو کوئی فنی مہارت یا کسی ہنر میں ممتاز ہوا تو کسی کو ریاضی یا سائنس کی پیچیدہ گھتیوں۔ دقیق مسائل کو حل کرنے کی صالاحیت ملی۔ اگر سب لوگ کسی ایک ہنر میں ممتاز ہوتے تو نظام عالم میں توازن نہ رہتا اور اسباب معاش کے سلسلہ میں کیا کچھ کرنا نہ پڑتا۔ یا آسمان سے من و سلویٰ کا انتظار کیا جاتا۔ اسی لئے رب کریم نے اپنی حکمت کاملہ سے بعض لوگوں نو بعض امور میں صلاحیت دی تاکہ سب ایک دوسرے سے کام لے کر بزم ہستی کی رونق کا باعث بنیں۔ علامہ آلوسی نے اس آیت کی

تفسیر میں فرمایا تا کہ بعض لوگ دوسروں سے مصلحت کے مطابق کام لیں مختلف پیشوں میں ان سے خدمت لیں اور مختلف کاموں میں ان سے استفادہ کریں تا کہ سب مل کر آرام و راحت زندگی بسر کریں اور آسائش پر رسائی حاصل کریں۔ اس آیت کے علاوہ بھی رب کائنات نے حصول رزق یا ذریعہ معاش کے لئے متعدد مقامات پر ہدایات دی ہیں اب بندگان خدا اور افراد ملت مسلمہ کا فریضہ یہ ہے کہ وہ یہ دیکھیں کہ کون سے طریقے شرعاً اور اخلاقاً درست ہیں اور کون سے نہیں۔

اسلامی معاشرتی تعلیمات کا دائرہ نہایت وسیع ہے جن کا اس مضمون میں احاطہ ممکن نہیں اس مرحلہ پر صرف اجارہ کے بارے میں چند گزارشات پیش کی جاتی ہیں اصطلاح فقہ اسلامی میں محنت مزدوری کرنے والے یا معاوضہ لے کر کام کرنے والے کو اجیر اور ان خدمات سے استفادہ کرنے والے کو مستاجر کہا جاتا ہے۔ معاشرتی زندگی میں سب مل کر کام کرتے ہیں ایک دوسرے کی مدد کر کے اپنا حق المحنت وصول کر لیتے ہیں اس طرح کاروبار زندگی رواں دواں رہتا ہے اور انسان کے مدنی الطبع ہونے کا پتہ چلتا ہے اور یہ احساس ہوتا ہے کہ صحیح انسانی زندگی ایک دوسرے کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں کیونکہ زندگی کے بہت سے مظاہر زبان' عادات' تمدن و ثقافت وغیرہ یہ سب معاشرہ کے رہین منت ہیں اس لئے ہر فرد بھی معاشرہ کا مرہون منت ہوتا ہے۔ کسب معاش میں وہ تنہا کام کرنے والا نہیں ہوتا بلکہ ان گنت ہاتھ اس کام میں کار فرما ہوتے ہیں البتہ انداز مختلف ہوتے ہیں تفصیلات سے صرف نظر کرتے ہوئے ہمیں اجارہ کے بارے میں سرسری جائزہ پیش کرنا ہے۔

جیسا کہ سابق سطور میں کچھ عرض کیا گیا ہے کسی کام کی تکمیل کے سلسلہ میں کسی کی خدمات حاصل کر کے اسکو حق المحنت کی ادائیگی اجارہ کہلائے گی۔ اجارہ میں بعض اوقات منفعت سے آگاہی ہوتی ہے مثلاً کپڑا سلوانے کے لئے سینے والے کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں محنت اور حق المحنت واضح ہوتا ہے بعض اوقات محنت و مشقت سے کما حقہ آگاہی نہیں ہوتی صرف اشارات منفعت کا علم ہوتا ہے۔
شریعت اسلامی نے اجارہ کی اجازت دی قرآن کریم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں واضح ہدایات ملتی ہیں۔ سفر ہجرت کے موقع پر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفیق سفر جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو جو راستوں کے بارے میں مہارت رکھتا تھا اور مسلمان

بھی نہ تھا اسکو اجرت پر ملازم رکھا اور اسکو سواریاں سپرد کر کے تین دن کے بعد غار ثور پر آنے کی ہدایت فرمائی تھی۔

اسلام معاشرتی زندگی میں اگر معاونت' ہمدردی رفاقت وغیرہ کے جذبات کی حوصلہ افزائی کرتا ہے تو اسکے ساتھ حقوق وفرائض کی ادائیگی اور حقوق العباد کو پورا کرنے کا اہتمام کراتا ہے جب اسلام نے اجارہ کی اجازت دی تو اسکے لئے شرائط مقرر فرمائیں تاکہ اجیر ومستاجر کے حقوق متعین ہو جائیں اور طرفین کو کوئی شکایت پیدا نہ ہو ایک یہ کہے کہ تم نے مقررہ کام مکمل نہیں کیا تو مزدور کو یہ شکایت ہو کہ تم نے حق المحنت پورا ادا نہیں کیا۔ اسلئے اسلام نے یہ واضح ہدایات دیں کہ جب اجارہ پر کسی کی خدمات سے استفادہ کیا جائے تو اسکو مزدوری یا اجرت (حق المحنت) کے بارے میں پہلے سے آگاہ کیا جائے اور مزدوری کے تعین کے بغیر اسکی خدمات سے فائدہ حاصل نہ کیا جائے تاکہ بعد میں کوئی بات ایسی نہ ہو جس سے عقد اجارہ متاثر ہو۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدور سے اس وقت تک کام لینے سے منع فرمایا جب تک کہ اسکی مزدوری کا تعین نہ کیا جائے (احمد)

حقوق العباد کی پاسداری کے سلسلہ میں زور اس لئے دیا گیا ہے کہ معاشرتی زندگی میں استحصال کی نوبت نہ آئے موجود دور میں بیگار کا طریقہ رائج ہے ہر بالا دست اپنے زیر دست کو بیگار میں لگاتا ہے اور اس زیر دست کو سوائے مشقت کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اس بارے میں مسئلہ سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف بیگار واستحصال کی حوصلہ شکنی کے سلسلہ میں ایک حدیث پیش کرتا ہوں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رب کائنات کا ارشاد ہے تین اشخاص ایسے ہیں جن سے قیامت کے دین میں خود مواخذہ کروں گا۔

(۱) جس نے میرے نام پر کسی کو پناہ دیکر اسکے ساتھ غداری (عہد شکنی) کی

(۲) جس نے کسی آزاد انسان کو فروخت کر کے اسکی قیمت کھالی

(۳) اور تیسرا شخص وہ ہے جس نے کسی شخص (مزدور) سے محنت ومشقت لیکر اس سے کام تو پورا لیا لیکن اسکی محنت ومشقت کا اجر (مزدوری) نہ دیا اور اس سے بیگار لی (مسلم)

اسلام معاشرتی زندگی میں عدل و انصاف کا بول بالا کرتا ہے وہ ایک طرف سب کو اجرت دینے کا درس دیتا ہے تو دوسری طرف اجیر کے حقوق کا تحفظ کرتے ہوئے اس کو دیانت داری کے ساتھ فرائض ادا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کو ہم نے کسی کام پر مقرر کیا اور اسکو اسکا حق المحنت بھی دیا لیکن اسکے باوجود بھی اس نے (مزدور تنخواہ دار نے) اس میں سے کچھ لے لیا تو یہ خیانت ہے یعنی مزدور' یا تنخواہ دار نے مقررہ رقم سے زیادہ اجیر کی اجازت کے بغیر جو کچھ لیا وہ خیانت سمجھا جائے گا۔

اسلام نے اجارہ کی اجازت دیتے ہوئے اسکے لئے قواعد و ضوابط تعلیم فرمائے اور یہ بتایا کہ اجارہ کے طور پر کسی کی خدمات حاصل کی گئیں تو اسکے لئے لازم یہ ہے کہ وہ خود ان خدمات کو انجام دے اور اپنی بجائے کسی دوسرے کو ان خدمات کی ادائیگی کے لئے مقرر نہ کرے آج کل معاشرتی زندگی میں یہ بات عام ہے کہ کام کی انجام دہی کے لئے معاملات طے کئے جاتے ہیں اور بعد میں کام دوسروں سے لیا جاتا ہے اس طرح شکایات پیدا ہوتی ہیں اگر کسی کام کو دیتے اور اسکو قبول کرتے وقت یہ بات طے کر لی جائے کہ کام دوسرے کاریگروں سے کرایا جائے گا اس طرح بعد میں منافقت کا خطرہ ٹل جائے گا۔

جس کام کے لئے کسی کی خدمات حاصل کی گئی ہوں تو آجر کا فرض یہ ہے کہ کام کی تکمیل پر اسکو (اجیر کو) فوراً اجرت دے دی جائے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ یعنی مزدور کو اسکا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اسکی مزدوری دے دینی چاہئے اسکے علاوہ کسی کو مزدوری پر متعین کرنے سے پہلے اس سے کام کی نوعیت اور شرائط سے آگاہ کر دینا چاہئے ارشاد نبوی ہے من استاجر اجیراً فلیعلمه اجره یعنی مزدور کو اس کے حق المحنت سے آگاہ کیا جائے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور پچھنے لگانے والے کو اجرت دی۔

فقہاء احناف نے اجارہ کے سلسلے میں جو شرائط مقرر فرمائی ہیں اس میں اولین شرط یہ ہے کہ اجیر و مستاجر کے درمیان معاہدہ میں لفظ اجارہ کے ساتھ ایجاب و قبول ہو اور کام کی اجرت کی ادائیگی اسکی تکمیل کے بعد ہوگی اگر کوئی محنت کش تکمیل کار سے پہلے اجرت طلب کرتا ہے تو اسکا یہ عمل درست

نہیں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں ولیس للقصار و الخیاط ان یطالب بالاجرہ حتی یتفرغ من العمل لان العمل فی البعض غیر منتفع بہ فلا یستوجب الا اجرتہ

اجارہ کی اجازت نص قرآنی سے ثابت ہے. فان ارضعن لکم فاتو ھن اجو رھن اسکے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ والسلام کی خدمات سے حضرت شعیب علیہ السلام نے کئی سال استفادہ کیا جسکی منظر کشی قرآن کریم میں اس طرح کی گئی یا ابت استاجرہ ان خیر من استاجرت القوی الامین حضرت شعیب علیہ السلام نے معاملات طے کرتے ہوئے فرمایا انی ارید ان انکحک احدی ابنتی ہاتین علی ان تاجرنی ثمانی حجج فان اتممت عشرا فمن عندک.

مذکورہ بالا سطور سے اجارہ کے بارے میں ثبوت و ضوابط کا تذکرہ ہوا اجارہ کا دائرہ بہت وسیع ہے جس پر سب حاصل بحث ممکن نہیں یہاں صرف ایک شق پر مزید کچھ عرض کرنا ہے۔

مملکت خداداد پاکستان بنیادی طور پر زرعی ملک ہے آبادی کی اکثریت دیہاتوں میں اقامت گزیں ہے، جنکی معاشی ضروریات زراعت سے پوری ہوتی ہیں لیکن اس ملک میں (میری معلومات کے مطابق) زراعت کو صحیح خطوط پر نہیں اپنایا گیا۔ وہ خطہ جو ماضی میں اتنا غلہ پیدا کرتا تھا جو نہ صرف ملکی ضروریات کے لئے کافی ہوتا تھا بلکہ فاضل غلہ بر آمد کیا جاتا تھا گو اس دور میں نہ تو جدید انداز سے کاشت کی جاتی تھی نہ جدید مصنوعی کھاد استعمال ہوتی تھی۔ آج اس علاقہ میں پیدا ہونے والا غلہ کہاں جاتا ہے؟ ہماری غیر ذمہ داری اور بے حسی کا عالم تو یہ ہے کہ غلہ ہی نہیں بلکہ دوسری غذائی اشیاء حتیٰ کہ آلو پیاز مرچ وغیرہ در آمد کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ یہ بات جملہ معترضہ کے طور پر آ گئی یہ موضوع گفتگو نہیں البتہ یہ جائزہ لینا ہے کہ ملک کی بہت سی زرعی زمینیں سیم و تھور کی وجہ سے ناقابل زراعت ہو گئیں البتہ محنت کر کے انہیں قابل زراعت بنایا جاسکتا ہے۔ بعض قطعات اراضی اس لئے افتادہ پڑی ہیں کہ انکے مالک اتنی وسیع و عریض زمینوں پر نہ خود کاشت کر سکتے ہیں نہ یہ گوارہ کرتے ہیں کہ اپنی زمینیں غریب، بے زمین کاشتکاروں کو کرایہ پر دے دیں تاکہ وہ ان زمینوں پر محنت کر کے خود بھی فائدہ حاصل کریں اور زمین کے مالک کو بھی فائدہ ہو گو بعض زمیندار ملازموں کے ذریعہ کاشت کراتے ہیں بعض بٹائی پر دے دیتے ہیں لیکن اس سے پورا فائدہ نہیں ہوتا اگر اجارہ کا طریقہ عام ہو جائے اور بے زمین کاشتکار کرایہ پر زمین حاصل کر کے کاشت کرتے تو اس سے کاشتکار اور زمیندار کو تو فائدہ حاصل ہو گا ہی لیکن ملکی ضروریات بھی پوری ہوں گی۔ یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ آبادی میں

اضافہ کی وجہ سے صارفین میں اضافہ ہوا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی وسائل میں بھی اضافہ ہوا ہے ٹریکٹر اور مصنوعی کھاد اور جدید ریسرچ سے غلہ کی اقسام بھی تلاش کی گئی ہیں۔

مزارعت میں اجارہ کی حیثیت امداد باہمی کی سی ہے اس میں فریقین اس قطعہ زمین سے استفادہ کرتے ہیں ایک کرایہ ادا کر کے حق المحنت حاصل کرتا ہے جبکہ دوسرا فریق اپنی زمین کا کرایہ حاصل کرتا ہے اس اجارہ میں بھی وہی صورتیں اور امور ملحوظ ہوتے ہیں جو مزارعت میں ہیں البتہ یہ معاملہ یا معاہدہ اس وقت درست ہو گا جبکہ فریقین کی کسی حالت میں حق تلفی نہ ہوتی ہو اور کوئی بات ایسی نہ ہو جو باہمی نزاع و فساد کا سبب بنے۔ اسلامی معاشرتی زندگی اور انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ جسکے پاس فاضل زمین ہے اسکو چاہئے کہ جس بھائی کے پاس زمین نہ ہو اور نہ کوئی ذریعہ معاش اور زمین بھی کاشت کے بغیر پڑی ہو تو وہ زمین کرایہ پر دے دے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے زمین کے افتادہ اور بلا کاشت بے مصرف پڑا رہنے سے تو یہ بہتر ہے کہ اس کو کرایہ پر دے دیا جائے۔ صاحب شرح معانی الاثار فرماتے ہیں حضرت رافع بن خدیجؓ سے دریافت کیا گیا سونے چاندی کے عوض زمین کو کرایہ پر دینا جائز ہے تو انھوں نے جواب دیا اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

مشہور محقق و عالم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب مسوی شرح مؤطا میں تحریر فرماتے ہیں عام اہل علم کا مسلک یہ ہے کہ دراہم و دنانیر (سکوں کے عوض) اور اسکے علاوہ جو مال کی اقسام ہیں ان سب کے عوض زمین کو کرایہ پر لینا اور دینا جائز ہے۔ گزشتہ سطور میں زراعت کے لئے زمین کو اجارہ پر لینے یا دینے کے بارے میں کچھ کہا گیا ہے اس سلسلہ میں چند باتیں اور پیش کی جا رہی ہیں۔

اگر کوئی شخص کسی کی زمین کرایہ پر حاصل کرنا چاہئے تو مالک زمین کو پہلے یہ بتائے کہ اس زمین پر کیا کاشت کرے گا تاکہ بعد میں تنازعہ پیدا نہ ہو اگر کسی نے زمین کو کرایہ پر لینے سے پہلے یہ نہ بتایا کہ وہ اسکی زمین میں کس چیز کی کاشت کرے گا تو یہ بھی نہ کہا کہ وہ زمین پر اپنی مرضی کی چیز کاشت کرے گا تو اس لاعلمی کی وجہ سے اجارہ فاسد ہو گا۔

اگر کسی شخص نے زمین کرایہ پر لی اور کسی آفت کی وجہ سے کھیتی تلف ہو گئی یا سیلاب کی وجہ سے تباہ ہو گئی اگر دوبارہ اس موسم میں اس زمین پر بوائی ہو سکتی ہے تو کرایہ دار پر کرایہ لازم ہو گا ورنہ صرف اس مدت کا کرایہ لازم ہو گا جب تک زمین پر کھیتی موجود تھی بعد کے عرصہ کا نہیں۔ معاملہ کی درستی اسلامی معاشرتی زندگی کے بنیادی اصول ہیں اور اسلام معاملات میں کسی قسم کی بے ضابطگی

گوارا نہیں کرتا چنانچہ اجارہ کے معاملات میں بنیادی عنصر یہی کار فرما ہے کہ یہ معاملہ موجب فساد نہ ہو۔

جیسا کہ میں نے گزشتہ سطور میں عرض کیا اجارہ کا دائرہ وسیع ہے اس میں مکان ' زمین ' سواری خواہ وہ ذی روح ہو یا مشینی اگر کرایہ پر کام کی تکمیل کے لئے کسی عوض پر لی جائے تو یہ اجارہ میں شامل ہوں گی ' اس طرح نوکری ' مزدوری ' کاری گری ' کرایہ داری وغیرہ اجارہ کے زمرے میں آتے ہیں در آں حالانکہ روز مرہ کی زبان میں انہیں میں سے بعض کو ٹھیکہ کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

اگر اپنی ملکیت پر اپنی محنت کی بجائے معاوضہ لیا جائے تو اس سلسلہ میں یہ بات قابل لحاظ ہو گی کہ اجیر مستاجر کی ماتحتی میں کام نہ کرے اگر اجیر اپنے گھر وہ کام کرتا ہے تو اسکو کاریگری کہا جائے گا۔ اور اگر اجیر مستاجر کی ماتحتی میں کام کرتا ہے تو اس میں بعض صورتیں ملازمت اور بعض مزدوری کی ہوتی ہیں۔

سابق صفحات میں حضرت شعیب و حضرت موسیٰ علیہما السلام کے باہمی معاملات کے بارے میں سورہ قصص کی آیات کے بارے میں کچھ لکھا جا چکا ہے ان آیات سے یہ چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں:

(۱) نوکری دلانے میں اہل ' قوی و امین شخصیت کی نشاندہی (۲) نوکر کی حیثیت غلام یا ایسے خدمت گزار کی نہیں ہونی چاہئے جیسا کہ آج کل معاشرہ میں دیکھا جاتا ہے۔ (۳) اجیر و استاجر کے درمیان خدمت اور حق محنت کا معاہدہ غیر مبہم اور واضح ہے (۴) لازمی اور اختیاری شرائط کا اس معاہدہ میں طے ہونا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس معاہدہ کے وقت تک اعلان نبوت نہیں کیا تھا ایسی حالت میں آپ کا ملازمت کرنا اس امر کا غماز ہے کسی مزدوری یا ملازمت کے ذریعہ معاش حاصل کرنا باعث تحقیر نہیں بلکہ محنت کر کے کسب حلال حاصل کرنا مستحن ہے۔ (۵) موسیٰ علیہ السلام نے معاہدہ کی تکمیل کے سلسلہ میں عبارۃ وصراحۃ ذلک بینی و بینک فرما کر معاہدہ کی تکمیل کا وعدہ فرمایا۔

اجارہ کے سلسلہ میں یہ امر نا درست نہیں بلکہ قابل عمل بھی ہے اور شروع بھی کہ محنت و مشقت کا اجر حاصل کیا جائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں جب حضرت خضر علیہ السلام نے دیوار کی مرمت فرمائی اور معاوضہ نہ لیا تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا لو شئت لاتخذت علیہ اجرا (الکہف ۷۷)

اجارہ کا دائرہ وسعت کا حامل ہے اور اس کے لئے ضخیم کتاب در کار ہے سر دست محنت و مشقت کرنے والوں کی حیثیت کیا ہے اور انہیں کیا حق محنت ملتا ہے اور ان کا حق کیا ہے۔ تنگی معاش سے ستائے مزدوروں کو کمیونزم میں ہی پناہ نظر آتی ہے اور اس فتنہ سے سرمایہ دار ہی نہیں بلکہ جمہوری اور دستوری حکومتیں جو اپنی ہیئت کذائیہ کے اعتبار سے نظام سرمایہ داری کی محافظ ہیں پریشان نظر آتی ہیں۔ دوسرے ممالک میں کیا ہو رہا ہے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے پاکستان کے سرمایہ دار مطمئن ہیں کہ پاکستان میں کمیونزم کی لعنت فروغ نہیں پا سکتی کیونکہ پاکستان کے مسلمان غربت و افلاس کے باوجود دین و ملت سے بغاوت نہیں کر سکتا پیٹ کی خاطر دین و ایمان کو داؤ پر نہیں لگا سکتا سوچنے کی بات یہ ہے جس قوم پر افلاس ہوتا ہے تنگ دستی گھیرتی ہے تو جسمانی صلاحیتیں اور روحانی قابلیتیں اکثر و بیشتر ماؤف و معطل ہو جاتی ہیں اور جو قوم معاشی بد حالی کا شکار ہوتی ہے اس پر دین و دنیا کی ترقی کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں انکا اخلاق بگڑتا ہے۔ جھوٹ فریب، مکر وعدہ خلافی، خوشامد، چاپلوسی، بے حیائی، گداگری، عصمت فروشی، چوری ڈکیتی، نقب زنی اور اسی قسم کے صدہا جرائم اکثر تنگ دستی اور افلاس کے نتائج کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر ملت مسلمہ کی معاشی الجھنوں کو نہ سلجھایا گیا تو یہ عمل نہ صرف دور اندیشی کے خلاف ہو گا بلکہ عقل کے صحیح استعمال کے خلاف بھی۔ یہاں یہ تذکرہ بے محل نہ ہو گا کہ اب کمیونزم کا طلسم اپنے اثرات ختم کر رہا ہے اور ان علاقوں کے بسنے والوں کا شعور بیدار ہونے لگا ہے کہ اگر کمیونزم تقسیم دولت میں مساوات کا حامل ہے تو اس کی یہ حدود اسلام کی سرحدوں سے ملتی ہیں اور اگر کمیونزم میں عادلانہ اور مساویانہ نظریہ ہے تو وہ كلمة الحكمة ضالة المومن . کے مطابق مسلمانوں کا گم گشتہ سرمایہ ہے جو دوسروں کو مل گیا ہے۔

ہمارے معاشرہ میں مزدور یا ملازم طبقہ کو ان کی محنت کے مطابق معاوضہ نہیں ملتا ان کی محنت و مزدوری سے سرمایہ دار زیادہ فائدہ حاصل کرتا ہے جو عدل و مساوات کے خلاف ہے اسلام اپنے ماننے والوں کو قول و عمل کی ہم آہنگی کا درس دیتا ہے اور اس پر سختی سے عمل پیرا ہونے کا حکم دیتا ہے قرآن فرماتا ہے (لم تقولون مالا تفعلون ۝ كبر مقتا عند الله ان تقولوا مالا تفعلون ضرورت اس امر کی ہے کہ احکام اسلامی پر عمل پیرا ہو کر ایسی معاشرتی زندگی کی تشکیل کی جائے جس میں اجیر و مستاجر کے حقوق کی رعایت ہو اور مزدور اپنی محنت کے مطابق معاوضہ حاصل کرے کیونکہ مزدور خوش دل کند کار بیش اگر مزدور خوش حال ہو گا تو امن و سکون کی فضا بحال ہو گی اور ملک خوشحال ہو گا

اور یہی اسلامی معاشرتی زندگی کا مقصود ہے کہ ہر شخص اپنے حقوق کو ادا کرے اور اسکے حقوق کو ادا کیا جائے۔

اسلامی نظریاتی کونسل نے ماضی میں نظام معیشت کے سلسلہ میں بہت کام کیا اور بہت سی قابل عمل سفارشات مرتب کیں لیکن انہیں در خور اعتناء نہ سمجھا گیا اور وہی فرسودہ نظام مختلف انداز میں آج بھی جاری ہے ضرورت تو اس امر کی تھی کہ قوانین کو فوری طور پر تبدیل کیا جاتا اور اگر ایسا ممکن نہ تھا تو بتدریج ایسا کیا جاتا اور طریق کار میں اصلاح کی جانب توجہ دی جاتی تا کہ معیشت کو اسلام کے احکام کے تحت چلانا ممکن ہو سکتا۔

یہاں یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ اسلامی معیشت کو بروئے کار لانے میں ایک بنیادی عنصر اخلاقیات کا ہے کہا یہ جاتا ہے کہ معاشیات کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں یہ تصور غلط اور احمقانہ ہے۔ اسلام کے نظام معاش میں حقوق و فرائض اور اخلاقیات اہمیت کے حامل ہیں اور اخلاقیات کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے اور اسکو اخلاقیات سے جدا نہیں کیا جاسکتا ایک ماہر معاشیات نے تو ایک بہت عمدہ اور دل لگتی بات کہی "کسی دیوار میں کوئی کیل بھی تو اخلاقیات کے بغیر نہیں ٹھونگی گئی اور آپ کہتے ہیں کہ اخلاقیات کو معاشیات سے یکسر نکال دیا جائے۔ اسلام کے فلسفہ اخلاق کو اپنانے والا معاشی زندگی میں کبھی بے راہ روی کا شکار نہیں ہوتا اسکے ذہن میں دنیاوی فلاح اور اخروی نجات کا تصور اجاگر رہتا ہے اسکے مد نظر یہ بات ہوتی ہے کہ معاش کا رخ معاد کی جانب ہوتا ہے اور یہ وہ امور ہیں کہ جنکی وجہ سے حقدار کو اسکا حق دینے میں پس و پیش نہیں کرتا۔

نثار فاطمہ زہراء
رکن اسلامی نظریاتی کونسل

اسلامی معیشت و معاشرت

اسلامی معیشت کے ملکی و قومی پہلو پر نہایت تفصیل سے مدلل بحث کونسل میں شامل صاحب علم وبصیرت اصحاب نے فرمائی ہے۔ لہٰذا میں ان کے خیالات جو قرآن وسنت کے مطابق ہیں اتفاق کرتے ہوئے دوہرانے کی بجائے صرف خواتین کے معاملہ میں بات پر اکتفا کروں گی۔

خواتین کی حیثیت اسلامی معاشرہ میں

"اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔" (النساء = ۱)

اس آیت کریمہ سے عورتوں کے معاملہ میں ان تمام اوہام وعقائد کا خاتمہ مقصود تھا جو زمانہ جاہلیت میں رواج پا چکے تھے۔

"میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں، خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔" (آل عمران = ۱۹۵)

قانون وراثت میں خواتین کا حق اسلام نے رکھا اور آج اس قانون کے تحت عالم اسلام کی کروڑوں مائیں، بہنیں، بیٹیاں، بیویاں اربوں ڈالر مالیت کی وراثت ہیں اور یہ تمام اثاثہ جات انہیں بغیر کسی محنت ومشقت اور کمائی کے صرف قانون وراثت کے تحت ملے ہیں۔

"جو کچھ ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑیں خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے ایک مقررہ حصہ۔" (النساء = ۷)

بقیہ رہنما اصول کے تحت قبل ازیں لکھی گئی سفارشات کو ملحوظ رکھا جائے۔

رہنما اصول

عورتوں اور مردوں کی حیثیت و مقام اور ان کے ذائرہ کار کے سلسلے میں اسلام نے کچھ رہنما اصول عطا کئے ہیں۔ اگر نظم معاشرہ کو ان رہنما اصولوں کے مطابق نہ چلایا جائے تو ایسے مسائل پیدا ہوتے ہیں جب بھی ان مسائل کو حل کرنا مقصود ہو' ان رہنما اصولوں کی پابندی کا اہتمام کیا جانا چاہئے۔ ان رہنما اصولوں کو نظر انداز کر کے ان مسائل کو حل نہیں کیا جاسکتا' بلکہ عورت کے مسائل و مصائب میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا اور خاندانی نظام میں تخریب اور بگاڑ واقع ہوتا چلا جائے گا۔

اسلامی نظریہ مساوات مردوزن اور عورت کا دائرہ کار

مغربی تہذیب کا معاشرہ ایک صنفی معاشرہ ہے اور اس تصور پر قائم ہے کہ قدرت نے جو قوتیں اور قابلیتیں مرد کو عطا کی ہیں وہی قوتیں اور قابلیتیں عورت کو بھی بخشی ہیں۔ نتیجتاً یہ کہ جو کچھ مرد کر سکتا ہے وہ سب کچھ عورت بھی کر سکتی ہے لہٰذا معاشرہ میں عورت و مرد کی جدوجہد کا دائرہ بھی ایک ہی ہونا چاہئے اور ان کے حقوق و فرائض بالکل ایک جیسے ہونے چاہئیں۔ اگرچہ مغربی تہذیب کے دانشوروں کے نزدیک مغربی معاشرہ سائنسی بنیادوں پر قائم ہے' لیکن اس معاشرہ میں عورت و مرد کی مساوات کا نظریہ سراسر غیر سائنسی بنیادوں پر قائم ہے کیونکہ عورت اور مرد کا جسمانی نظام اور نفسیاتی داعیات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ مرد جو کچھ کر سکتا ہے وہ عورت نہیں کر سکتی اور عورت جو کچھ کر سکتی ہے وہ مرد نہیں کر سکتا۔ مرد ماں نہیں بن سکتا اور عورت باپ نہیں بن سکتی۔ دونوں کو حیاتیاتی فرائض کی مناسبت سے قوتیں اور قابلیتیں عطا کی گئی ہیں۔

اسلامی معاشرہ وہ صنفی معاشرہ ہے۔ چونکہ اسلام دین فطرت ہے اس لئے اسلام کے قائم کردہ معاشرہ میں عورت اور مرد کیلئے ان کے جسمانی نظام' نفسیاتی داعیات اور فطری فرائض کی مناسبت سے الگ الگ دائرہ کار متعین کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود دونوں یکساں قدر و احترام کے مستحق ہیں۔

دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہیں۔ جس طرح سورج اور چاند اپنے اپنے دائروں میں سرگرم عمل ہیں' ایک دوسرے کے دائرے میں خلل انداز نہیں ہوتے' اسی طرح اسلامی معاشرہ میں مرد اور عورت اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق ذمہ داریاں سنبھالتے ہیں اور ایک دوسرے کے دائرہ کار میں مداخلت نہیں کرتے۔ اپنی اپنی حدود کے اندر دونوں

یکساں طور پر آزاد اور یکساں طور پر پابند ہیں۔ عورت کے فرائض مرد کے حقوق ہیں اور مرد کے فرائض عورت کے حقوق ہیں۔ نہ تو مرد کو تمنا کرنی چاہئے کہ وہ عورت کی فضیلت اور ترجیحات حاصل کرے اور نہ عورت کو تمنا کرنی چاہئے کہ وہ مرد کی فضیلت اور ترجیحات سے بہرہ ور ہو۔

ولا تتمنوا ما فضل الله به بعضکم علی بعض للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساءِ نصیب مما اکتسبن ۔ (النساء ۔ ۳۲)

جس چیز میں اللہ نے ایک کو دوسرے پر ترجیح دی ہے اس کی تمنا نہ کرو۔ مردوں نے جو کمایا ان کو اس میں سے حصہ ملے گا اور عورتوں نے جو کمایا اس میں سے ان کو حصہ ملے گا۔

مندرجہ بالا آیت ظاہر کرتی ہے کہ جو خصوصیات عورتوں اور مردوں کو عطا ہوئی ہیں ان میں فضیلت کا پہلو کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں۔ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ جو قوتیں اور صلاحیتیں عورتوں کو حاصل ہوئیں اور ان قوتوں اور صلاحیتوں کی بنیاد پر انہیں جن حقوق و فرائض کا اہل قرار دیا گیا اور ان کی مناسبت سے جو سلیقہ ہنر اور اوصاف بخشے ہیں مردوں کو ان کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے، اسی طرح جو قوتیں اور صلاحیتیں مردوں کو حاصل ہوئیں اور ان قوتوں اور صلاحیتوں کی بنیاد پر انہیں جن حقوق و فرائض کا اہل قرار دیا گیا ہے اور ان کی مناسبت سے جو سلیقہ، ہنر اور اوصاف بخشے ہیں، عورتوں کو ان کی تمنا کرنے سے روک دیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسماء بنت یزید انصاریہ کو (جب وہ عورتوں کی نمائندہ بن کر آپ کے پاس آئی تھیں اور جہاد وغیرہ کے ذریعے مردوں کے برابر اجر حاصل کرنے کی تمنا کی) واضح الفاظ میں فرمایا کہ "تمہارا اچھی طرح خانہ داری کرنا، اپنے شوہروں کو خوش رکھنا اور ان کے ساتھ سازگاری کرنا مردوں کے ان سارے کاموں کے برابر ہے جو تم نے بیان کئے ہیں" (کتاب الاستیعاب فی اسماء الاصحاب لابن عبدالبر = ج ۲، ص ۷۰۶)

دونوں اصناف کی فطری صلاحیتوں کی مناسبت سے ان کے دائرہ کار کے مطابق ان کی ذمہ داریاں متعین کی گئی ہیں۔ عورتوں کو فکر معاش سے آزاد کر کے انہیں اولاد کی پیدائش، ان کی پرورش و دیکھ بھال اور گھریلو نظم و نسق کا کام سونپا گیا ہے جبکہ مردوں پر فکر معاش اور خاندان کی کفالت کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے۔

الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله بعضھم علی بعض و بما انفقوا من اموالھم

مرد عورتوں کے قوام (سرپرست) ہیں اس وجہ سے کہ اللہ نے بعض امور میں بعض کو فضیلت بخشی ہے اور اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنے اموال خرچ کئے پس جو نیک بیبیاں ہیں وہ فرمانبرداری

فالصالحٰت قٰنتٰت حافظٰت للغیب بما حفظ اللہ (النساء : ۳۴) کرنے والی اور رازوں کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں اس وجہ سے کہ اللہ نے بھی رازوں کی حفاظت فرمائی ہے۔

اگرچہ اسلام میں جہاد سے بہتر کوئی عمل نہیں لیکن پردہ کے احکام نازل ہونے کے بعد رسول اللہ علیہ وسلم نے عورت کے لئے شرکت جہاد کے خلاف کھلم کھلا اظہار ناراضگی فرمایا اور گھر میں بیٹھے رہنے کو ترجیح دی چنانچہ جن عورتوں نے مرہم پٹی کرنے' پانی پلانے اور اس طرح کے کاموں کے لئے غزوہ خیبر میں شرکت کی اجازت چاہی ان سے آپ نے فرمایا۔ چلو واپس جا کر گھر میں بیٹھو (سنن ابی داؤد = کتاب الجہاد' باب ۱۵۲)

حضرت ام ورقہ بنت نوفل نے غزوہ بدر میں شرکت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا قبری فی بیتک یعنی جاؤ اپنے گھر میں بیٹھو (سنن ابی داود = کتاب الصلاۃ باب امامۃ النساء) حالانکہ غزوہ بدر سے بڑھ کر ضرورت کا موقع اور کون سا آسکتا ہے۔

عورت اور مرد کے دائرہ کار کے الگ الگ ہونے پر اسلام میں اس قدر زور دیا گیا کہ رہنماؤں کو خاص طور پر گھروں میں بیٹھے رہنے کا حکم دیا گیا کیونکہ عام عورتیں انہی کی تقلید کرتی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاہلیۃ الاولی (الاحزاب ۳۳) اور اپنے گھروں میں ٹک کے رہو اور سابقہ جاہلیت کے سے انداز اختیار نہ کرو۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کا اصل میدان عمل اس کا گھر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی اصل ذمہ داری جو بیان فرمائی اس کا تعلق بھی گھر سے ہی ہے۔

والمراہ راعیۃ علی بیت بعلھاو ولدہ وھی مسؤلۃ عنھم۔ (صحیح مسلم : کتاب الامارۃ، باب د) اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران بنائی گئی ہے اور اس سے ان چیزوں کی بابت پرسش ہوگی۔

عورت کے فطری فرائض کا تقاضا اور پردہ

عورت کے فطری فرائض کا تقاضا ہے کہ اس کی سرگرمیوں کا مرکز اور میدان تگ و تاز اس کا گھر ہو۔ علاوہ ازیں اولاد کے سلسلے میں نسب کی حفاظت اور اس میں کسی قسم کے شک وشبہ سے بالاتر رہنے' اور اسلامی معاشرہ میں پاکیزہ اخلاق کے فروغ کے لئے ضروری ہے کہ عورت ایسی سرگرمیوں

سے باز رہے اور ایسے مقامات پر نہ جائے جس میں مردوں کے ساتھ اختلاط اور میل جول کا امکان ہو۔ عورتوں کو مختلف مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ہدایات جاری فرمائیں جن کا مقصد مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے روکنا تھا۔

(۱) حمزہ بن ابو اسید انصاریؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے نکل رہے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ راستے میں مرد عورتوں کے ساتھ مل گئے ہیں۔ آپ نے عورتوں سے فرمایا کہ تم پیچھے ہو جاؤ۔ تمہارے لئے راستے کے بیچ میں چلنا ٹھیک نہیں ہے تم راستے کے کنارہ سے چلو۔ چنانچہ اس حکم کے بعد عورتیں بالکل دیوار سے لگ جاتی تھیں، یہاں تک کہ ان کی چادریں دیوار سے الجھتی تھیں۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب باب فی مشی النساء مع الرجال فی الطریق)

(۲) حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کا ایک دروازہ عورتوں کے لئے خاص کر دیا تھا، سنن ابی داؤد = کتاب الصلاۃ، باب فی اعتزال النساء فی المساجد عن الرجال)

(۳) عیدین کی نمازوں میں عورتوں کو شرکت کی خاص طور پر تاکید تھی، لیکن ان کا اجتماع مردوں سے الگ ہوتا تھا (سنن ابی داود = کتاب الصلاۃ باب خروج النساء فی العید)

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی مرد دو عورتوں کے درمیان سے چلے۔ (سنن ابی داود = کتاب الادب، باب فی مشی النساء مع الرجال فی الطریق)

(۵) اگر مردوں کو عورتوں سے کوئی بات جماعتی حیثیت سے کہنی ہوتی تھی تو اس کے لئے پردہ کا مناسب اہتمام کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ام عطیہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے انصار کی عورتوں کو ایک گھر میں جمع کیا، عمرؓ بن خطاب کو ہمارے پاس بھیجا۔ وہ آئے اور آکر دروازے کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ پھر ہم کو سلام کیا۔ ہم نے سلام کا جواب دیا۔ پھر انہوں

نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ کا بھیجا ہوا تمہارے پاس آیا ہوں (سنن ابی داود = کتاب الصلاۃ ' باب خروج النساء فی العید)

چونکہ بعض دفعہ عورت کو گھر سے باہر نکلنے کے لئے مجبور ہونا پڑتا ہے اس لئے اسلام نے ضرورت کے وقت باہر نکلنے کی اجازت تو دے دی لیکن کچھ شرائط کے ساتھ۔

چنانچہ انہیں حکم دیا کہ وہ باہر نکلتے ہوئے اپنے اوپر چادر لے لیا کریں۔

یایھاالنبی قل لازواجک و بنتک ونساء المومنین یدنین علیھن من جلا بیبھن ذلک ادنٰی ان یعر فن فلا یوذین (الاحزاب: ۵۹)

اے نبیؐ اپنی بیویوں' اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو ہدایت کر دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی بڑی چادروں کے گھونگھٹ لٹکالیا کریں۔ یہ اس بات کے قرین ہے کہ ان کا امتیاز ہو جائے۔ پس ان کو کوئی ایذا نہ پہنچائی جائے۔

بعد کے زمانے میں جب عورتوں کے مسجدوں میں جانے میں اختلاط مرد و زن کا زیادہ خدشہ ہونے لگا اور پردہ کے احکام میں نرمی پیدا ہونے لگی تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اب عورتوں کے حالات میں جو تغیر واقع ہوا ہے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تو ان کو مسجدوں کی حاضری سے روک دیتے۔

ایک موقع پر ایک خاتون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اگر ہم میں سے کسی کے پاس بڑی چادر نہ ہو اور وہ عید کی نماز میں شریک نہ ہو تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کی کوئی دوسری بہن اس کو اپنے جلباب میں شریک کر لے۔ (صحیح البخاری ' کتاب العیدین ' باب اذالم یکن لھا جلباب فی العید)

گھر سے باہر نکلتے ہوئے عورتوں کو زینت کی اشیاء کا اظہار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھاو لیضربن بخمرھن علی جیوبھن --- ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن (النور: ۳۰-۳۱)

(مومن عورتوں سے کہہ دو کہ) اپنی زینت کی چیزوں کا اظہار نہ کریں مگر جو ناگزیر طور پر ظاہر ہو جائے اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بکل مار لیا کریں.......... اور عورتیں اپنے پاؤں زمین پر مار کے نہ چلیں کہ ان کی مخفی زینت ظاہر ہو۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اصل پردہ تو حیا ہے۔ چنانچہ اگر عورت میں حیا ہو تو پردے کی ضرورت نہیں۔ یہ نقطہ نظر خود حیا کے خلاف ہے۔ در حقیقت حیا کا تقاضا یہ ہے کہ پردہ اختیار کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک خاتون ام خلادؓ اپنے مقتول بیٹے کا حال دریافت کرنے کیلئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں وہ نقاب پہنے ہوئے تھیں۔ ایک صحابی نے تعجب کرتے ہوئے کہا کہ نقاب پہن کر بیٹے کا حال دریافت کرنے آئی ہیں (یعنی یہ موقعہ تو گریباں چاک کرنے اور سر پیٹنے کا تھا) انہوں نے جواب دیا کہ میرا بیٹا مرا ہے میری حیا نہیں مری ہے۔

(سنن ابی داود کتاب الجہاد ' باب فضل قتال الروم علی غیرھم من الامم۔)

نکاح کے معاہدہ میں عورت کی رضامندی

اسلام میں نکاح کا معاہدہ مرد اور عورت کی باہمی رضامندی سے تکمیل پاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے والدین پر لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ نکاح کے وقت لڑکیوں سے ان کی رضامندی حاصل کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لاتنکح الایم حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستادن۔ (صحیح البخاری : باب لاتنکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاھا)

شوہر دیدہ کی شادی اس وقت تک نہ کی جائے جب تک اس کا حکم نہ لے لیا جائے اور کنواری عورت کا نکاح بھی اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کی اجازت حاصل نہ کرلی جائے۔

الایم احق بنفساھا من ولیھا والبکر لیستاذ نھا فی نفساھاو اذنھا صماتھا (صحیح مسلم باب استیدان الثیب بالنطق والبکر بالسکوت)

شوہر دیدہ عورت خود اپنی ذات کی ولی سے زیادہ حق دار ہے اور کنواری کے نکاح کے وقت اس سے اجازت لے لی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔

ایک نوجوان عورت دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئی اور بیان کیا کہ میرے والد محترم نے میری شادی میرے چچازاد بھائی سے کر دی ہے جو مجھے پسند نہیں اس عورت کی اس رشتہ سے ناگواری سن کر آپ نے معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے دیا کہ تم کو اس نکاح کے رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار ہے۔ عورت نے یہ سن کر اطمینان کی سانس لی اور بولی کہ میرے باپ نے جو کچھ کیا اس کی اجازت دے چکی ہوں ' لیکن اس وقت سوال کرنے اور حضورؐ سے جواب حاصل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ عورتوں کو سبق دوں کہ باپ کے ہاتھ میں یہ نہیں کہ بالغ لڑکی کی رضا حاصل کئے بغیر شادی کر دے

(ابن ماجہ باب من زوج ابنتہ وھی کارھۃ)۔

ابنتہ وھی کارھتی

کتب احادیث میں باپ کے کئے ہوئے نکاح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے باطل قرار دینے کے متعدد واقعات مذکور ہیں (دیکھئے صحیح بخاری ' ابن ماجہ ' کتاب النکاح)

بیوی کے ساتھ سلوک

خاوند کے لئے ضروری ہے کہ بیوی سے حسن سلوک سے پیش آئے۔ ارشاد نبوی ہے کہ "ایمان میں کامل ترین مومن وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو اور تم میں بہترین وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لئے بہترین ثابت ہو (ترمذی = باب ماجاء فی حق المراۃ علی زوجھا)

پروردگار عالم کا ارشاد ہے۔

ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا ومن یفعل ذلک فقد ظلم نفسہ ولا تتخذوا ایات اللہ ھزوا (البقرہ : ۲۳۱)

اور ان کو (یعنی بیویوں کو) تکلیف پہنچانے کی غرض سے مت روکو اس ارادے سے کہ ان پر ظلم کیا کرو گے۔ جو شخص ایسا کرے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اور اللہ کے احکام کو لہو ولعب نہ سمجھو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

جب تم کھاؤ تو اس کو کھلاؤ اور جب تم پہنو تو اس کو پہناؤ اس کے چہرہ پر نہ مارو اور نہ برا بھلا کہو اور نہ جدائی اختیار کرو' اس کا موقع آئے تو یہ گھر میں ہی ہو۔

ان تطعمہا اذا طعمت و تکسوھا اذا اکتسیت تضرب الوجو ولا تقبح ولا تھجر الاقی البیت

(مشکوۃ باب عشرۃ النساء)

اللہ تعالیٰ نے بیویوں کو مارنے کی اجازت صرف خاص حالات میں دی ہے۔

والتی و تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربو ھن فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا (النساء : ۳۴)

ایسی عورتیں جن کی نافرمانی کا تم کو خدشہ ہو ان کو زبانی نصیحت کرو (باز نہ آئیں تو) ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو اور (اگر پھر بھی باز نہ آئیں تو) ان کو مارو۔ پھر اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان کو (تنگ کرنے کے لئے کوئی) بہانہ تلاش نہ کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور ان کا اسوہ حسنہ بتا رہا ہے کہ عملی طور پر اس اجازت سے مجبوری کی حالت میں ہی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اس کے لئے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حد بندی کر دی ہے اور اس مار کو معمولی سرزنش تک محدود فرما دیا ہے۔

واضربوھن ضربا غیر مبرج (المتومذی باب ماجاء فی حق المراۃ علی زوجھا)

ان (عورتوں) کو اس طرح مارو کہ جلد پر نشان نہ پڑے۔

خطبہ حجتہ الوداع' میں عورتوں سے متعلق سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ارشاد فرمایا۔

الا استوصوا بالنساء خیرا فانما ھن عوان عنکم لیس تملکون منھن شیئا غیر ذلک (ترمذی باب ماجاء فی حق المراۃ علی زوجھا)

سنو عورتوں سے متعلق بھلائی کا تاکیدی حکم قبول کرو کیونکہ وہ تمہارے یہاں ایک قسم کی قیدی ہیں اس کے سوا تم ان کی کسی چیز کے مالک نہیں ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتر مسلمان اس کو قرار دیا جو اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرے۔

خیارکم خیارکم نسائکم (ترمذی باب ماجاء فی حق المراۃ علی زوجھا)

تم میں سے بہترین وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لئے بہترین ثابت ہو۔

جب کچھ خواتین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے شوہروں کی بدسلوکی کی شکایت تو آپؐ نے یہ اعلان فرمایا۔

لقد اطاف بال محمد نساء کثیر یشکون ازواجھن لیس اولئک بخیارکم۔ (ریاض الصالحین باب الوصیۃ بالنساء)

بہت سی عورتوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر والوں کو گھیر لیا اور اپنے شوہروں کی شکایت کر رہی تھیں ان عورتوں کے شوہر اچھے لوگ نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کے یہ ارشادات عورت کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید میں بالکل واضح ہیں۔

طلاق

اسلام میں حلال اشیاء میں سے سب سے ناپسندیدہ چیز طلاق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ولاخلق اللہ شیئا علی وجہ الارض ابغض الیہ من الطلاق۔ (مشکوۃ کتاب الطلاق)

اللہ نے روئے زمین پر طلاق سے بڑھ کر کوئی چیز مبغوض پیدا نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بیوی کو خوش اسلوبی سے رکھو، لیکن اگر ایسا نہ کر سکو تو خوش اسلوبی سے رخصت کر دو۔

فامسا ک بمعروف اوتسریح باحسان (البقرہ : ۲۲۹)

بیوی کو معروف کے مطابق رکھو یا احسان کے ساتھ رخصت کر دو۔

جونہی میاں بیوی میں اختلاف پیدا ہو، اس امر کا اہتمام کیا جانا چاہیے کہ ان میں صلح ہو جائے۔ یا حسن وخوبی سے علیحدگی ہو جائے۔

وان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکما من اھلہ و حکما من اھلھا (النساء : ۳۵) اگر تم کو میاں بیوی میں اختلاف کا اندیشہ ہو تو مرد کے خاندان سے ایک آدمی اور عورت کے خاندان سے ایک آدمی مقرر کرو۔

اگر طلاق ناگزیر ہو جائے تو مرد کو چاہئے کہ عورت کو طلاق دے کر حسن و خوبی سے رخصت کرے۔ اس کے لئے چند باتوں پر عمل ضروری ہے۔

۱۔ عدت تک دونوں میاں بیوی اکٹھے رہیں تاکہ رجوع کا امکان باقی رہے۔ (طلاق ۱)

۲۔ عدت کے خاتمے پر مرد عورت کو ایک یک مشت رقم دے (البقرہ ۲۴۱)۔ مرد اس سے پہلے جو کچھ عورت کو دے چکا ہو وہ واپس نہ لے (البقرہ ۲۲۹)

اگر عورت رشتہ ازدواج سے نکلنا چاہئے تو وہ جو مفادات مرد سے حاصل کر چکی ہے (ماسوائے مہر کے) وہ واپس کر کے خلع لے سکتی ہے (البقرہ ۲۲۹)

رہنماء اصول کی پابندی

اگرچہ قرآن و سنت میں میاں بیوی کے تعلقات کے بارے میں بے شمار تفاصل مذکور ہیں۔ یہاں صرف رہنما اصول دیئے گئے ہیں۔ ان رہنما اصولوں کی روشنی میں ہی ازدواجی مسائل حل کیے جاسکتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ میں ان اصولوں کی پابندی نہ کی جائے تو نہ صرف مشکلات بڑھتی جائیں گی بلکہ معاشرہ میں شدید تخریب اور بگاڑ پیدا ہوتا چلا جائے گا۔

زکوٰۃ

زکواۃ اسلامی معیشت میں کمزور طبقوں کے لئے' ایک بنیادی کردار ادا کرتی ہے لیکن یہ نظام اپنی چند کمزوریوں کی بناء پر صحیح طریقہ سے نافذ نہ کیا جاسکا جس کی وجہ سے معاشرہ اس کی برکات سے محروم رہا اور وہ نتائج سامنے نہ آسکے جو آنے چاہئے تھے۔

زکواۃ کے استعمال اور طریقہ کار کی خامیاں دور کر کے اسے ضرورت مندوں تک پہنچانے کا موثر نظام ضروری ہے۔ چند تجاویز

(۱) نچلے درجہ کے سرکاری ملازمین کے بچوں کی تعلیم کا خرچ مع کتب' فیس' لباس' زکوٰۃ سے ادا کیا جائے بشرطیکہ وہ صاحب نصاب نہ ہوں۔

(۲) ہر سرکاری ملازم کو بہن یا بیٹی کے نکاح کی ذمہ داری ادا کرنے پر پانچ ہزار روپے تک زکواۃ سے ادا کئے جائیں۔ اگر کوئی سرکاری ملازم مرد یا عورت حکومت کو درخواست

کرے کہ وہ شادی کے اخراجات کا متحمل نہیں ہو سکتا اور شادی کرنا چاہتا ہے تو اسے بھی اتنی ہی رقم ادا کی جائے۔ (بشرطیکہ وہ خود صاحب نصاب نہ ہو)

(۳) ریٹائرمنٹ پر نچلے درجوں کے سرکاری ملازمین کو دو کمروں کا گھر زکواۃ سے تیار کر کے اس کی چابی دے دی جائے۔ (بشرطیکہ وہ صاحب نصاب نہ ہوں)

(۴) معذور افراد کی چھان بین کر کے کم از کم دو سو روپے ماہوار ضرور ادا کئے جائیں۔

(۵) بھیک مانگنے پر سختی سے پابندی ہو۔

(۶) کثرت سے ٹریننگ سینٹر ہوں جہاں مختلف ہنر سکھا کر لوگوں کو کمانے کے قابل بنایا جا سکے (مگر ان تربیتی اداروں کی عمارات زکواۃ کی رقوم سے تعمیر نہ کی جائیں)۔

(۷) ایسی صنعتیں لگائی جائیں جن میں یتیم، مسکین، بیوگان کے شیئر رکھ کر ان کو چلایا جائے اور اس کی آمدنی اس طبقہ پر خرچ ہو۔ ماہوار دس بیس روپے سے کچھ نہیں بنتا۔ سوائے اس کے کہ فقیر پیدا ہوں۔

(۸) جو لوگ مستحق ہوں ان میں ہر سال زکواۃ سے سائیکلیں تقسیم کی جائیں۔ پٹرول مہنگا ہونے سے غریب کے لئے بس کا سفر بھی مہنگا ہے۔ اس طرح غریب لوگ تلاش معاش اور روزگار والے افراد کرایوں کے بوجھ سے بچ سکتے ہیں۔

(۹) اس سلسلہ میں گزشتہ کونسل کی مالیاتی رپورٹ بھی قابل غور رکھی جائے۔

(۱۰) زکوٰۃ کی رقم سے پسماندہ اور محروم طبقوں کی بحالی کا کام اس انداز سے ہو کہ زکوٰۃ کی برکات محسوس ہوں نہ کہ فقراء کا اضافہ ہو اور بھیک زیادہ ہو جائے۔ اسلام زکوٰۃ دینے والوں کو آمادہ کرتا ہے کہ وہ دے اور لینے والے کو بھی یہ تعلیم دیتا ہے کہ بلاوجہ سوال نہ کرے اور مانگنے اور سوال کرنے کو پسندیدہ قرار نہیں دیتا۔ ہمیں قوم کو خوداری کا سبق ذرائع ابلاغ کے سب سے مؤثر میڈیا یا ٹی وی کے ذریعہ دینا چاہیے۔

سود

اسلامی معیشت کے لئے سود کی لعنت ایک بہت بڑا کینسر ہے اور اس کی موجودگی میں اصلاح و فلاح کی بڑی سے بڑی تدبیر بھی کارگر نہیں ہو سکتی۔

کسان کے کھیت کی ایک ایک جڑ میں سود کی کھاد اور بیج' سود پر لیا ہوا ٹریکٹر اور زرعی آلات' صنعتکار کے کارخانوں میں سود الغرض کوئی سرمایہ کاری سود سے پاک نہیں ہے۔ اس کو ختم کرنا ضروری ہے۔

زرعی ترقیاتی بنک کی بلڈنگ تو کئی منزلہ نہایت شاندار بن گئی ہے لیکن اس بنک سے قرضے لے کر زراعت کرنے والوں کا حال سود سے نہیں بدلا۔

سود کی بناء پر لوگوں میں مال سے مال بڑھانے اور بنانے کی ایک ایسی سوچ پیدا ہو گئی ہے کہ جائز و ناجائز کا خیال بھی نہیں آتا جبکہ سود لینے اور دینے والے کے ساتھ اللہ اور رسول کی جنگ ہے۔

اسراف اور فضول خرچی

دولت مند لوگوں کو راہ سے موڑنا بہت ضروری ہے۔ دولت اللہ کا فضل ہے اگر اچھے کاموں میں صرف ہو۔ فضول خرچ لوگوں کو اللہ نے شیطان کا بھائی کہا ہے۔ شادیوں میں دعوتیں پر تکلف کھانے اور رنگارنگ لباس فخر کا باعث ہیں' جب کہ اسلامی سوسائٹی میں یہ چیزیں قابل فخر نہیں ہیں۔ آتش بازی پہ لاکھوں خرچ کئے جاتے ہیں۔

نیز شاندار بنگلے اور کروڑوں روپے اس پہ لگا دینا رقم کو مٹی میں دبا دینے کے مترادف ہے۔

تعمیرات میں سادگی کو فروغ دیا جائے۔ سرکاری سطح پر بھی کروڑوں روپے صاحب اقتدار لوگوں کی رہائش گاہوں کی تزئین و آرائش پر صرف ہو جاتے ہیں اور کوئی حاکم نہیں سوچتا کہ یہ غریب عوام کی محنت کی کمائی ہے۔ اصلاح اوپر سے ہو گی تو اثر ہو گا ورنہ سب قوانین بے اثر ہو جاتے ہیں۔

PCPPI—1386(92) CII—24-2-93—1,100.

پرنٹنگ کارپوریشن آف پاکستان پریس اسلام آباد